قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

ماہنامہ —— لاہور

مجلسِ ادارت

مُدیرِ مسئول : محمد لطیف چوہدری
معاون : ثریا عندلیب

ناشر : شیخ عبدالحمید
طابع : خالد منصور نسیم
مطبع : النور پرنٹرز و پبلشرز
۳/۲ فیصل نگر، ملتان روڈ، لاہور ۲۵
ٹیلیفون —— ۲۷۵۸۲۶

مقامِ اشاعت : ۲۵/بی، گلبرگ ۲، لاہور ۱۱

جلد ۴۳ —— جنوری ۱۹۹۰ء —— شمارہ ۱

بدل اشتراک
سالانہ
پاکستان —— ۶۰ روپے
بیرونی ممالک —— (بذریعہ سمندری ڈاک) ۱۲۵ روپے
فی پرچہ : -/۵ روپے

خط و کتابت
ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ)
۲۵/بی، گلبرگ ۲، لاہور ۱۱
پوسٹ کوڈ ——
ٹیلیفون : ۸۷۹۲۴۶

فہرستِ مضامین

۱۔ لمعات —— ادارہ —— ۲
۲۔ قرآنی فکر کا سفر —— قاسم نوری —— ۶
۳۔ قارئین کے نام —— ادارہ —— ۲۶
۴۔ بزمِ طلوعِ اسلام —— ادارہ —— ۲۹
۵۔ معاشی نظاموں کا تقابل —— ادارہ —— ۳۱
۶۔ عورت کا قرآن —— جمیلہ خاتون —— ۳۵
۷۔ واقم الصلوٰۃ —— بشیر احمد عابد —— ۳۹
۸۔ خدائے زندہ زندوں کا خدا —— ثریا عندلیب —— ۵۰
۹۔ حقائق و عبر —— ادارہ —— ۵۵
۱۰۔ قرآن بچوں کے لئے —— قاسم نوری —— ۶۱
۱۱۔ فہرستِ کتب —— ادارہ —— ۶۶
۱۲۔ QURANIC APPROACH TOWARDS CHANGE —— شمیم انور —— ۸۰

لمعات

جمہوریت (اصلاح کا ایک گوشہ)

انسان نے اپنے نظمِ اجتماعی (یعنی حکومت) کے لئے اس وقت تک جتنے طریقے اختیار کئے ہیں، ان میں جمہوری طریقِ حکومت کو سب سے بہتر اور بلند خیال کیا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں بھی جمہوریت کا ڈھنڈورا اسی شد و مد سے پیٹا گیا کہ ہم بھی سمجھنے لگے کہ ہمارے دکھوں کا مداوا اسی اسمِ اعظم میں پوشیدہ ہے۔ اکابرینِ ملت اپنی تقاریر میں اس کا ذکر کچھ اس طرح کرتے ہیں، جیسے جمہوریت ہی ہماری بقا و سلامتی کی ضامن اور نجات کا ذریعہ ہے لیکن عام آدمی یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ دنیا کا بہترین نظامِ حکومت اپنانے کے باوجود نہ ہم قومی یکجہتی کی طرف قدم بڑھا سکے ہیں، نہ باہمی خلفشار کو کم کر پائے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ میخانۂ فرنگ سے مانگی ہوئی صہبا جمہوریت ہی ہمارے مقدر کی سیاہی بن کر رہ گئی ہے۔ حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے اس اندازِ حکومت کے متعلق کہا تھا کہ

دیوِ استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

یہ اس زمانے کی بات ہے جب ہم جمہوری اندازِ حکومت سے براہِ راست واقف اور اس کے ثمرات سے بلاواسطہ لذت آشنا نہیں تھے۔ اس وقت جمہوری انداز، اقوامِ مغرب کے ہاں رائج تھا اور ہم انگریز کی استعماریت کے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ ہم اقبالؒ کے اس گہرے اشارے کا کما حقہٗ ادراک نہ کر سکے ہوں لیکن اب قریب چالیس سال سے خود ہمارے ہاں کسی نہ کسی رنگ میں جمہوری اندازِ حکومت کارفرما

ہے اور ہم اللہ کے فضل وکرم سے براہِ راست اس کے عواقب وثمرات سے لذت اندوز ہو رہے ہیں۔ اس لئے اب ہم ذاتی تجربہ کی بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ جمہوری اندازِ حکومت "دیو استبداد" ہے یا "آزادی کی نیلم پری"۔ ہمارا خیال ہے کہ اس سوال کے جواب کے لئے نہ کسی منطقی استدلال کی ضرورت ہے اور نہ فلسفیانہ شواہد کی۔ ہماری ملّی حالت، معاملات میں آئے دن کا تجربہ، معاشرہ کی چیخ وپکار، عوام کی زبوں حالی، قدم قدم پر ہڈیاں چٹخنے کی دردانگیز آوازیں، حتیٰ کہ خود اس جمہوری حکومت کے اربابِ بست وکشاد کے اعلانات کہ ہمارے ہاں رشوت، بددیانتی، نالائقی، اقربا نوازی، اعزہ پروری، انفرادی مفادپرستی کی لعنت دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ اس حقیقت کی واضح دلیل ہے کہ یہ جمہوری اندازِ حکومت فی الواقعہ دیو استبداد ہے۔ ہم حکمرانوں کے ایک گروہ سے تنگ آکر نئے انتخابات کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن نئے انتخابات کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ انہی جیسا ایک اور گروہ ہمارے سر پر مسلط ہو گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر جمہوری اندازِ حکومت کا عملی نتیجہ یہی ہے تو پھر اس کی اس قدر تعریف کیوں کی جاتی ہے؟

جمہوریت، ڈیماکریسی (DEMOCRACY) کا ترجمہ ہے۔ ڈیماکریسی کے معنی ہیں "لوگوں کی حکومت" یا "عوام کی حکومت" اس کا مفہوم انگریزی کے اس مشہور فقرے میں ادا کیا جاتا ہے جو امریکی دستور کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے، یعنی "عوام کی حکومت" "عوام کے فائدے کے لئے۔ خود عوام کے ہاتھوں سے"۔ مغربی اقوام میں جمہوری حکومت فی الواقعہ عوام کی حکومت، عوام کے فائدے کے لئے، خود عوام کے ہاتھوں تشکیل پائی ہے یا نہیں۔ اس کے متعلق دو آراء ہوں یا نہ ہوں لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہمارے چالیس سالہ تجربہ نے جو کچھ ہمیں بتایا ہے وہ یہی ہے کہ یہاں حکومت، نہ عوام کی ہوتی ہے، نہ عوام کے فائدے کے لئے ہوتی ہے اور نہ ہی عوام کے ہاتھوں تشکیل پذیر ہوتی ہے۔ یہ خواص کی حکومت، خواص کے مفاد کی خاطر، خواص کے ہاتھوں متشکل ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے ہاں کوئی خاص خرابی ہے جس کی وجہ سے جمہوری اندازِ حکومت اس قسم کے نتائج مرتب کر رہا ہے یا خود جمہوری اندازِ حکومت ہی ایسا ناقص ہے؟

ایک چیز ہے جمہوریت (ڈیموکریسی) کا اصول اور دوسری ہے اس اصول کو بروئے کار لانے کے لئے جمہوری مشینری۔ جہاں تک جمہوریت کے اصول کا تعلق ہے، اس میں شبہ نہیں کہ عقلِ انسانی نے اس وقت تک جس قدر نظامہائے حکومت وضع کئے ہیں، یہ ان میں بہترین ہے (قرآن اس پر کیا حدبندیاں عائد کرتا ہے یہ الگ بحث ہے) لیکن جو مشینری اس کے لئے وضع کی گئی ہے، وہ اس قدر ناقص ہے کہ اس سے "آزادی کی یہ نیلم پری"

یکسر "دیو استبداد" میں بدل جاتی ہے۔ اس مشینری کی رُو سے ملک کو چند حلقوں (CONSTITUENCIES) میں تقسیم کرلیا جاتا ہے۔ ہر حلقہ کے رائے دہندگان کی فہرست مرتب کرلی جاتی ہے۔ اس حلقہ میں جتنے امیدوار انتخاب کے لئے کھڑے ہوں، وہ رائے دہندگان انہی کو رائے دیتے ہیں۔ جس کے حق میں زیادہ ووٹ آجائیں، وہ اس حلقہ کا نمائندہ سمجھا جاتا ہے۔ اب اس طریقِ کار کا عملی نتیجہ دیکھئے۔ فرض کیجئے۔ دس گاؤں کا ایک حلقہ انتخاب ہے۔ جس میں پچاس ہزار کاشتکار (مزارع) ہیں اور پچاس زمیندار۔ اس حلقہ کی ایک نشست کے لئے پانچ زمیندار کھڑے ہوتے ہیں جن میں سے ایک امیدوار کامیاب ہو جاتا ہے۔ کہنے کے لئے یہ زمیندار، ان پچاس ہزار کاشتکاروں کا نمائندہ ہے لیکن آپ سوچئے کہ ایک زمیندار، کسی صورت میں بھی کاشتکاروں (مزارعین) کا نمائندہ بن سکتا ہے؟ زمیندار اور کاشتکار کے مفاد ہمیشہ ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں۔ کیا، اس صورت میں، ایک زمیندار کبھی کاشتکاروں کے مفاد کا محافظ ہو سکتا ہے؟ اسی طرح کارخانوں کی مثال لیجئے۔ ایک صنعتی حلقہ (INDUSTRIAL AREA) میں دس کارخانے ہیں جن میں پچاس ہزار مزدور ہیں اور دس کارخانوں کے مالک، ان مالکان میں سے کچھ امیدوار کھڑے ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک کامیاب ہو جاتا ہے کیا یہ منتخب شدہ ممبر، کسی صورت میں بھی مزدوروں کے مفاد کا نگران قرار دیا جا سکتا ہے؟ ان حلقوں کو پھیلا کر پورے ملک کو محیط کر لیجئے۔ ملک کی آبادی کے نوّے (بلکہ اس سے بھی زیادہ) فی صد حصّہ غریبوں کا ہے، اور باقی دس فیصد (بلکہ اس سے بھی کم) امیر ہیں۔ انتخاب کے لئے (کم وبیش) تمام امیدوار اس دس فیصد (امراء کے) حلقہ سے کھڑے ہوتے ہیں اور ان میں سے کامیاب امیدوار مجالس مقننہ وغیرہ کے رکن بن جاتے ہیں۔ کیا آپ ان ممبروں کو، ملک کی نوّے فیصد غریب، نادار آبادی کا نمائندہ قرار دے سکتے ہیں؟ کیا یہ "جمہور" (عوام) کے مفاد کے محافظ و نگران سمجھے جا سکتے ہیں؟ کیا ان سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ یہ اپنے مفاد پر عوام (جمہور) کے مفاد کو ترجیح دیں گے؟ لہٰذا، جب یہ منتخب شدہ ممبر، جمہور کے نمائندے ہی نہیں تو اس اندازِ حکومت کو جمہوری (DEMOCRATIC) کہا کیسے جا سکتا ہے؟ لیکن جمہوری مشینری کا تقاضا ہے کہ اسے جمہوری نظام ہی کہا جائے۔

کہا جا سکتا ہے کہ ان کاشتکاروں، مزدوروں، غریبوں اور ناداروں کو کس نے کہا ہے کہ وہ خود اپنے میں سے امیدوار کھڑے نہ کریں، اور زمینداروں، کارخانہ داروں اور دولت مندوں کو اپنا نمائندہ منتخب کریں؟ کہنے کے لئے یہ بات ٹھیک ہے لیکن سوچئے کہ جب زمیندار کے مقابلہ میں کاشتکار، کارخانہ کے مالک کے مقابلہ میں مزدور، اور محلّہ کے رئیس کے مقابلہ میں ایک غریب و نادار امیدوار کھڑا ہوگا تو ان غریبوں کو کامیاب کون ہونے دیگا؟

...کامیابی تو ایک طرف، ان کے لئے تو وہاں رہنا محال کر دیا جائے گا۔
کہہ دیا جائے گا کہ جب یہاں کے نوّے فیصد عوام میں اتنا سیاسی شعور اور مفادِ خویش کے تحفظ کا احساس ... تو انہیں شریکِ حکومت کس طرح کیا جا سکتا ہے؟ بات واضح ہے۔ اگر انہیں شریکِ حکومت نہیں کیا جا سکتا تو پھر اس حکومت کو عوام کی جمہوری حکومت کیوں کہا جاتا ہے۔ اسے "خواص کی حکومت (OLIGARCHY)" ... نہیں کہا جاتا ہے؟ اور اگر حکومت جمہوری ہے تو پھر اس میں عوام کو شریک کیوں نہیں کیا جا سکتا؟

اس فساد کا علاج (ایک بڑی حد تک) انتخابی مشینری کی اصلاح میں ہے اور وہ اصلاح یہ ہے کہ ملک کی سو نشستوں میں سے نوّے نشستیں عوام کے لئے مخصوص ہونی چاہئیں اور دس خواص (امراء) کے لئے۔ عوام (غرباء) کی نشستوں کے لئے صرف عوام (کاشتکار، مزدور، غریب) امیدوار کھڑے ہوں اور خواص کی نشستوں کے لئے خواص (زمیندار، کارخانہ دار، امراء) نہ عوام ان خواص کو ووٹ دے سکیں اور نہ خواص، ان عوام کی نشستوں میں دخیل ہو سکیں۔ اس طرح اور صرف اس طرح حکومت میں عوام کی صحیح نمائندگی ہو سکے گی اور اس حکومت کو جمہوری (عوام کی) حکومت کہا جا سکے گا۔ علم کی شرط ہر امیدوار کے لئے ضروری ہے۔

اگر دستورِ پاکستان میں، انتخاب کے لئے اس قسم کے قواعد رکھے گئے تو یہاں کی حکومت جمہوری کہلا سکے گی، ورنہ وہی "دیوِ استبداد" ہوگا جو جمہوری قبا" میں مصروف نگہ کوبی رہے گا اور ہم (بظاہر) دنیا کو اور (درحقیقت) اپنے آپ کو فریب دیتے رہیں گے کہ یہ "آزادی کی نیلم پری" ہے۔

ذاتی ملکیت کے قرآنی تصوّر کے لئے
نظامِ ربوبیت
ملاحظہ کیجئے

مرتبہ: قاسم نوری

فکرِ قرآنی کا سفر ۸۹ء کے آئینے میں

(طلوعِ اسلام - ماہ بہ ماہ)

طلوعِ اسلام کا اجراء باقاعدہ ماہنامہ کی شکل میں ۱۹۳۸ء میں ہوا تھا۔ اس وقت اگرچہ اس کا مسلک تحریکِ پاکستان کی تائید تھا لیکن اس کی یہ تائید صرف سیاسی مقاصد کے حصول کے نہیں تھی بلکہ اس کا موقف یہ تھا کہ اسلام ایک دین کی شکل میں اسی صورت میں زندہ رہ سکتا ہے جب مسلمانوں کی اپنی آزاد مملکت ہو، جس میں قرآنی اصول و اقدار کی حکمرانی ہو۔ اس طرح یہ حصولِ پاکستان کی سیاسی جنگ کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کو بھی ذہنوں میں جاگزیں کرتا چلا گیا کہ ـــــ

- اسلام سے مقصود کیا ہے؟
- اسلام کس قسم کا ضابطۂ زندگی اور نظامِ حیات پیش کرتا ہے۔
- اور وہ ضابطہ اور نظام ـــــ کس طرح دیگر نظام ہائے حیات سے منفرد اور بے مثال ہے؟ یعنی وہ کیوں کسی اور ضابطے سے مفاہمت نہیں کرسکتا اور اس میں کیوں کسی اور نظام کا پیوند نہیں لگایا جاسکتا ـــــ"

(اقتباس از "کاروانِ شوق" مطبوعہ طلوع اسلام، جنوری فروری ۸۹ء)

بانیٔ طلوعِ اسلام، علامہ غلام احمد پرویزؒ، تن تنہا اس مشن کو لے کر اُٹھے تھے اور جب اس سفر کا آغاز کیا تھا تو ایک رفیق بھی ساتھ نہ تھا۔

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
ہمسفر ملتے گئے اور کارواں بنتا گیا

یہاں یہ بھی بتانا بے جا نہ ہوگا کہ طلوعِ اسلام' نکالنے کا خیال انہیں از خود نہیں آیا تھا ـــــ بلکہ اس کی تحریک قائداعظمؒ نے دلائی تھی۔ انہی کی فرمائش بلکہ تاکید و اصرار پر اس رسالہ کا آغاز انہوں نے فرمایا تھا ـــــ اور قائداعظمؒ نے علامہ اقبالؒ کے کہنے پر ایسا کیا تھا ـــــ حصولِ پاکستان کے سلسلے میں قائد کی جنگ تین محاذوں پر تھی۔

۔ایک انگریز تھا جس کا ہندوستان پر قبضہ تھا ــــ دوسرا ہندو تھا جس کی اکثریت تھی اور عملاً مسلمان اس کی غلامی میں تھے ــــ اور تیسرا محاذ نیشنلسٹ علماء کا تھا جو ہندو کے سب سے بڑے حامی اور دوست تھے اور تحریکِ پاکستان اور قافلہ سالارِ تحریک کے زبردست مخالف تھے۔

قائدِ اعظمؒ نے علامہ پرویزؒ سے کہا، دو محاذ میں سنبھال لیتا ہوں لیکن تیسرا محاذ تم سنبھال لو' اور وہ ہے ان متذکرہ نیشنلسٹ علماء سے نبٹنے اور ان کے گمراہ کن پروپیگنڈے سے سیدھے سادھے مسلمان کو بچانے کا محاذ۔ چنانچہ اسی مقصد کی تعمیل و تکمیل کے لئے علامہ اقبالؒ کے کہنے پر طلوعِ اسلام کا اجراء ہوا ــــ اور قیامِ پاکستان کے بعد یہ مقصد ــــ ' نفاذِ اسلام ' کے لئے متعین ہو کر رہ گیا ــــ

علامہ مرحوم ۸۵ء میں سفرِ آخرت پر روانہ ہوئے تو ان کا لگایا ہوا بیج تن آور درخت بن چکا تھا اور ساری دنیا میں متعارف ہو چکا تھا ــــ اہلِ علم و بصیرت ملک ملک سے اس تحریک کی طرف کھچے چلے آرہے تھے اور مرحوم کی فکرِ قرآنی سے استفادہ کر رہے تھے ــــ

علامہ پرویز علیہ الرحمتہ کے بعد اس مسلکِ قرآنی سے وابستہ لوگ سہم گئے۔ ڈر پیدا ہوا کہ ان کے بعد یہ تحریک ختم یا مفلوج نہ ہو جائے ــــ لیکن اللہ جل شانہ کا کرم شاملِ حال رہا ــــ محبانِ مقصدِ قرآنی نے لپک کر پرچمِ تحریک کو گرنے یا جھکنے سے بچا لیا ــــ اب تحریک کس طرح آگے بڑھائی جائے اور کس طرح مقاصد کو پورا کیا جائے۔ یہ بہت بڑا اور توجہ طلب مسئلہ تھا ــــ اس تحریک کے قیام و دوام کے لئے کئی شعبے بنائے گئے انتظامیہ کا قیام، ٹرسٹ کا قیام' ریسرچ لائبریری کا قیام' ہفت روزہ درس کے تسلسل کے طریقِ کار کا قیام پرویز صاحب کی کتابوں کی اشاعت اور فروخت کے انتظام کا فکر' اور ماہنامہ طلوعِ اسلام کے جاری و ساری رہنے اور ترویج و تنظیم کے مستقل اور دوامی نقوش کے قیام کا مسئلہ درپیش تھا۔

مگر ــــ اس سب کا آخر مقصد و منشاء کیا تھا؟!

اس کا مقصد صرف اور صرف ایک ہی تھا۔

"مختلف روایتوں، رسموں، تہذیبوں اور ملکوں کے اثرات سے قرآنی تعلیمات کو پاک صاف کر کے، پاکستان میں اللہ کے قانون کی حکومت قائم کرنے کی جدوجہد کرنا۔"

اس کے لیے بہت سی تبدیلیاں ضروری تھیں اور تحقیق کے نئے افق تلاش کرنے، نئی اور صحت مند فکر کو آگے لانے اور تحریک کو سائنٹفک بنیادوں پر استوار کرنے کی ضرورت تھی ـــــ اور منظم طریقہ سے استوار کرنے کی ضرورت تھی ـــــ

۱۹۸۵ء سے ۱۹۸۸ء تک کا مختصر سا زمانہ اسی تگ و دو اور کاوشِ مسلسل میں گزرا۔ ہر شعبۂ تحریک کا جائزہ لیا جائے تو وہاں بڑی جاندار اور نمایاں تفصیل ملتی ہے جو نہایت خوش آئند اور ربِ کریم کے فضل و کرم کی جیتی جاگتی اور منہ بولتی تصویر پیش کرتی ہے لیکن ماہنامہ 'طلوعِ اسلام' نے اس محاذ پر جو کام کیا، یقیناً قارئین کرام کو اسے دیکھ کر اور جان کر دلی مسرت ہوئی۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اپنی کاوش سے ہم مطمئن ہو گئے ہیں لیکن اپنی محنت کو ثمر بار ہوتے دیکھ کر جس روحانی مسرت کا احساس ہوتا ہے وہ عین فطری ہے ـــ آیئے ۱۹۸۹ء کے آئینہ میں جائزہ لیتے ہیں کہ وہ مقاصد جن کی تکمیل کے لئے محترم پرویزؒ نے زندگی کا ہر سانس وقف کر دیا تھا۔ ان کے بعد اسی مقام پر ایستادہ ہیں یا ان میں کوئی پیش رفت بھی ہوئی ہے ـــــ انشاء اللہ' اپنے اعمال اور اپنی ایک سال کی کارکردگی کا جائزہ یا خود احتسابی کا عمل صرف اس سال تک محدود نہیں رہے گا ـــــ ہر سال جنوری کے شمارہ میں اپنے محترم قارئین کے سامنے پیش ہوتا رہے گا ـــــ

جنوری، فروری

سال ۱۹۸۹ء کا پہلا شمارہ ہی چونکا دینے والا ہے اور اس اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ سرسری اور پہلی ہی نظر میں ان محدودے چند لوگوں کی مساعیِ جمیلہ کی واضح جھلک سامنے آجاتی ہے جن کے کاندھوں پر محترم پرویزؒ صاحب کی وفات کے بعد اس تحریک کی ذمہ داری اور بقاء و فلاح کا بوجھ تھا۔ ۸۵ سے ۱۹۸۸ء کے مختصر سے عرصے میں اس تحریکِ قرآنی کی رگِ حیات میں جس اندازہ و مقدار سے تازہ اور جوان خون دوڑ رہا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

> سترہ ایسے نام سامنے آتے ہیں جنہوں نے مقصدِ حیات کو قرآنی مفہوم کے آئینے میں سمجھا ہی نہیں، دوسروں کو سمجھانے کی بھی قدرت حاصل کی۔ ان میں سے بعض نام 'تحریکِ طلوعِ اسلام' کی تاریخ کا حصہ بن گئے۔
>
> آیئے! اس شمارہ کا اجمالی سا جائزہ لیتے ہیں۔

جنوری فروری کا یہ مشترکہ شمارہ جو جلد ۴۲ یا شمارہ نمبر ۲:۱ ہے' دراصل کنونشن ۸۸ نمبر ہے اور اس میں تمام مضامین وہی ہیں جو ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳ اکتوبر ۱۹۸۸ء کو طلوعِ اسلام کے کنونشن میں پڑھے گئے تھے سوائے حقائق و عبر کے۔ 'حقائق و عبر اور لمعات' ابتدا ہی سے اس رسالہ کے

مستقل عنوانات رہے ہیں ـــــ

'لمعہ' عربی لفظ ہے جس کے لغوی معنی 'روشنی' ہیں۔ لمعات اس کی جمع ہے۔ پرویزؒ صاحب نے غالباً ایڈیٹوریل کے لئے اس لفظ کا انتخاب اس لئے کیا تھا کہ کسی کے ما فی الضمیر اور ذہن میں جھانکنا ہو تو سب سے پہلے چہرے کا ہی جائزہ لینا ہوتا ہے ـــ کسی رسالہ کے مندرجات کے بارے میں اندازہ لگانا ہو تو، ایڈیٹوریل کی روشنی میں بآسانی دیکھا جاسکتا ہے ـــ لہٰذا ابتدا ہی سے 'لمعات' ایڈیٹوریل کے لئے استعمال ہوتا آرہا ہے ـــ یہ واحد لفظ ہے جسے اس مقصد کے لئے آج تک کسی مدیر نے کہیں استعمال نہیں کیا ـــ دوسرا عنوان 'حقائق و عبر' بھی فکرِ پرویز ہی کا ماحصل ہے ـــ عام طور پر اس عنوان کے تحت حالاتِ حاضرہ اور اخبارات و رسائل میں شائع ہونے والے دلچسپ واقعات، اختلافی مسائل اور عبرت آموز یا عبرت انگیز تحریروں پر طنز، تنقید، تبصرہ اور نشاندہی ہوا کرتی ہے ـــ

اس شمارہ کی مجلسِ ادارت میں تین نام سامنے آتے ہیں۔ مدیر مسئول مرزا محمد خلیل صاحب ہیں۔ معاونین میں محترمہ ثریا عندلیب اور محترم محمد عمر دراز کے اسماء گرامی ہیں ـــ اس شمارہ کے صفحات ۱۶۰، اور قیمت دس روپے ہے۔

لمعات کے لئے منتخب کردہ عنوان "اللہ کے نزدیک قابلِ قبول نظامِ حیات" ہے اور لمعات کے آخری صفحے میں طلوعِ اسلام کنونشن کی تاریخ۔ اور مقصد کے بارے میں جو کچھ بتایا گیا ہے وہ من و عن اسطرح ہے۔

> "پہلی کنونشن ۵۶ء میں منعقد ہوئی اور ۷۶ء تک یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ ۷۷ء سے ۸۶ء تک ملکی حالات کے پیشِ نظر باضابطہ کنونشن تو منعقد نہیں کی جاسکی۔ تاہم نمائندگان کے انتظامی اجلاس جاری رہے تاآنکہ ۸۷ء میں یہ سلسلہ پھر سے بحال ہو گیا۔ زیرِ نظر شمارہ کنونشن ۸۸ء کی روئیداد اور وہ تمام خطابات (خطبات) لئے ہوئے ہے جو اس کنونشن میں ایک بڑے اجتماع میں پیش کئے گئے۔ مقررین نہ پیشہ ور مبلغین ہیں نہ مذہبی درسگاہوں سے فارغ التحصیل علماء۔ یہ وہ اہلِ نظر طلباء و طالبات ہیں جنھوں نے ازخود قرآنی حقائق پر غور کیا اور وہ کچھ قوم سے کہنا چاہتے تھے لیکن اظہارِ خیال کے لئے کوئی پلیٹ فارم میسر نہ تھا جہاں قرآنِ خالص کے حوالے سے کوئی بات کی جاسکے۔ یہ صدائے بازگشت ہے اس قرآنی فکر کی، جو طلوعِ اسلام برس ہا برس سے اس یقین کے ساتھ فضائے عالم میں بکھیر رہا ہے کہ حق و صداقت کی آواز کبھی صدا بصحرا نہیں ہوتی۔ مضامین من و عن شائع کئے جارہے ہیں تاہم ہمیں امید ہے کہ ادبی نقطۂ نگاہ سے بھی قارئین ان میں اپنے بلند اور شُستہ ذوقِ سلیم کی تسکین کا سامان

پائیں گے۔"

اس مذکرہ کنونشن میں جو مقالات پڑھے گئے ان کے مقرر کردہ عنوانات مندرجہ ذیل ہیں۔

نظریۂ پاکستان اور نفاذِ شریعت ۔ عورت کے سماجی، معاشی اور سیاسی حقوق

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسّر ۔ تاویل سے قرآن کو بنا سکتے ہیں پاژند

اور جن مقررین نے حصّہ لیا، ان میں قاسم نوری ، اعزاز الدین احمد خاں صاحب، ثریا عندلیب صاحبہ، عارفی سلطانہ صاحبہ، سلمیٰ خلیل صاحبہ، ادیبہ ظفر صاحبہ، تسنیم کوثر صاحبہ، خالدہ سرور صاحبہ، قمر پرویز صاحب، مقبول الٰہی صاحب، محمد شفیق صاحب، محمد افتخار احمد صاحب، محمد اشرف ظفر صاحب، سلیم عبدالقیوم صاحب، علی محمد چوہدری صاحب، عبدالرحمٰن صاحب، محمد داؤد صاحب اور محمد سلیم قمر صاحب کے اسمار گرامی شامل ہیں۔

دو محترم دینی بہنوں کے مقالات ان کے علاوہ ہیں۔ محترمہ صالحہ غنی، جو کنیئرڈ کالج میں شعبۂ شماریات کی لیکچرار ہیں۔ انہوں نے "تخلیق کی جنت" کے عنوان سے اور محترم پرویزؒ کی محترم شاگرد مس شمیم انور نے انگریزی زبان میں تحریر کردہ مقالہ "پرویز اور تحریک پاکستان" پیش کیا ــــ مس شمیم انور کا تعلق بھی بطور لیکچرار کنیئرڈ کالج لاہور سے تادیر رہا ہے ــــ

مارچ اپریل

اس مشترکہ شمارہ کو بھی بنظرِ استحسان ہی دیکھنا چاہیئے کہ اس میں بھی "تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل" خاصی تعداد میں نظر آتے ہیں۔ کچھ کونپلیں پھوٹی ہیں اور اس شجرِ تحریکِ قرآنی پر کچھ نئے رنگ جھلکتے نظر آتے ہیں ــــ فروری چونکہ محترم پرویز صاحبؒ کا یوم وفات' ہے لہٰذا اس مشترکہ شمارہ کو انہی کی یاد سے منسوب کر دیا گیا ہے اور اس اعتبار سے اس کی حیثیت منفرد ہو جاتی ہے۔ پہلی مرتبہ پرویزؒ، فکرِ پرویزؒ اور تحریکِ پرویزؒ کا اجمالی کام یکجا صورت میں سامنے آیا ہے ــــ پرویزؒ صاحب کی نادر و نایاب تحریریں بھی اس میں شامل ہیں اور ان کی تصویریں بھی اس میں نظر آتی ہیں جن میں پرویزؒ کی زندگی کے آخری لمحات کی تصاویر بھی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ پہلی مرتبہ دنیا بھر میں' طلوعِ اسلام' کی بزموں اور نمائندوں کا تعارف اور تصویریں، قارئین کو دیکھنے کو ملی ہیں ــــ 'لمعات' کے لئے مارچ ۷۴ء کے شمارہ میں شائع ہونے والے 'لمعات' ہی کو قندِ مکرر کے طور پر منتخب کیا گیا ہے جس میں یہ واضح کیا گیا تھا کہ سنہ ۱۹۴۰ء کا ریزولیشن لاہور میں کن حالات میں پیش ہوا تھا ــــ بڑی حقیقت کشا اور بصیرت افروز تاریخ پیش کی گئی ہے۔

اس شمارہ میں کئی خوش آئند تبدیلیاں سامنے آئی ہیں۔ مجلسِ ادارت میں نیا نام شامل ہوا ہے۔ مدیر مسئول کے لئے محمد لطیف چوہدری صاحب کا نام نامی زینتِ سرِ فہرست ہے۔ محمد لطیف صاحب طویل عرصہ سے شریکِ قافلۂ فکرِ قرآنی ہیں ــــ پرچہ کی ادارت کے ساتھ ساتھ "ناظمِ ادارہ" کی حیثیت میں بھی ان کا تقرر ہوا ہے ــــ

نئی شخصیت، نئی سوچ لے کر آتی ہے۔

چنانچہ انہوں نے اپنی زیرِ ادارت شائع ہونے والے پہلے ہی شمارے میں دین اور دنیا دونوں کو اکٹھا کر دیا ہے۔ خالصتاً فکری اور نظریاتی مضامین کے ساتھ ساتھ ایسے مضامین کی اشاعت بھی کی ہے جن کا تعلق حالاتِ حاضرہ کے مسائل سے بھی براہِ راست ہے ـــ ان دنوں لندن سے شائع ہونے والی کتاب "شیطانی آیات" نے ساری دنیا میں تہلکہ مچایا ہوا تھا ـــ محمد لطیف صاحب نے اس جذباتی تہلکہ آمیزی پر قرآنی پس منظر میں بروقت مضمون لکھوایا اور شائع کیا ـــ یہ ایک ایسی جرأت اور "بدعت" تھی جس کا "رسک" ہر اک نہیں لے سکتا تھا ـــ اس مضمون کا عنوان بھی "شیطانی آیات" ہی ہے۔ طلوعِ اسلام اپریل ۱۹۶۰ء کے شمارہ سے ایک صفحہ کا مضمون بھی نقل کیا گیا ہے۔ عنوان ہے "فکرِ قرآنی کے لئے پرویز سند نہیں"۔

غالباً یہ مضمون پرویزؒ صاحب کی طرف سے علماء کے اس اعتراض کے جواب میں لکھا گیا تھا کہ "پرویز دین میں اختراع کی راہیں تلاش کر رہا ہے"۔ اس کی اہمیت کے پیشِ نظر اسے من وعن پیش کیا جاتا ہے۔ پرویزؒ صاحب اپنے دستخطوں سے لکھتے ہیں:

> "میں اپنی بصیرت کے مطابق قرآنی فکر پیش کرتا ہوں۔ آپ کے لئے ضروری ہے کہ آپ از خود قرآنِ کریم پر غور و فکر کے بعد فیصلہ کریں کہ میری فکر صحیح ہے یا نہیں۔ اسے اچھی طرح سُن رکھئے کہ جس دن آپ نے دین کے معاملہ میں قرآنِ کریم کے بجائے کسی انسان کو سند مان لیا، آپ نے فرقہ بندی کی بنیاد رکھ دی اور یہ آپ کو معلوم ہی ہے کہ فرقہ پرستی قرآن کی رُو سے شرک ہے۔" (پرویز)

"لمعات" سے لے کر محترمہ شمیم انور کے انگریزی میں لکھے ہوئے مضمون (علامہ غلام احمد پرویزؒ) تک بانیٔ تحریک کے بارے میں اس قدر مواد یکجا کر دیا گیا ہے کہ تشنگی کا احساس نہیں ہوتا۔ پرچہ بہت خوبصورتی سے آفسٹ پرنٹنگ میں شائع کیا گیا ہے۔ صفحات ڈیڑھ سو اور قیمت دس روپے ہے ـــ اس مشترکہ شمارہ میں گیارہ نئے لکھنے والے شریکِ اشاعت ہیں۔

مئی مئی کے شمارہ میں مزید کچھ تبدیلیاں نظر آتی ہیں۔ "بچوں کے لئے قرآنی تعلیمات" کا آغاز کیا گیا ہے۔ "آنے والی نسلوں کی تعلیم و تربیت" سے متعلق محمد اکرم راٹھور صاحب کا مضمون اس امر کا غماز ہے کہ تحریکِ طلوعِ اسلام کا پرچم اب جن ہاتھوں میں ہے ان کی نظریں پاکستان اور ملتِ پاکستان کے مستقبل پر کس اُمید سے لگی ہوئی ہیں۔ قرآنی فکر کو زیادہ سے زیادہ عام کرنے کے لئے نئی سکیم کا آغاز کیا گیا ہے۔ نئے خریداروں کے لئے پچاس فیصد کی رعایت کا اعلان کیا گیا ہے ـــ طلوعِ اسلام کی پرانی فائیلوں سے پرویز صاحبؒ

کی نایاب تحریروں کے اقتباسات، سامنے لائے گئے ہیں ـــ انہی میں سے ایک معرکتہ الآرا اور معنی خیز تحریر کو لمعات کا موضوع بنایا گیا ہے۔ قرآن کی رُو سے انسانیت کے بنیادی حقوق کیا ہیں ـــ ؟ اس میں چونکا دینے والی معلومات افزا بات یہ ہے کہ مغربی دنیا میں پہلی بار انسانوں کے بنیادی حقوق کا جو چارٹر مرتب کیا گیا ہے، وہ جوں کا توں قرآن میں پہلے سے موجود ہے ـــ یہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے اور بڑی شرح وبسط سے شائع کیا گیا ہے ـــ علامہ اقبالؒ سے پرویزؒ صاحب کی آخری ملاقات کی بھی تفصیل قابلِ مطالعہ ہے۔ محترم ڈاکٹر صلاح الدین اکبر صاحب جو پرویزؒ صاحب کی بصیرت قرآنی سے استنباط کرنے والے دیرینہ رفیق ہیں ان کا مضمون "تندرستی ہزار نعمت ہے" اس اعتبار سے خاصی اہمیت کا حامل ہے کہ طبّی اور قرآنی دونوں نقطۂ نظر سے صحت کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے اور جدید نسل میں نشے کی لعنت کی جو رَو ساری دنیا میں پھیل گئی ہے اس کے مضمرات اور نتائج سے سائنٹفک انداز میں بڑی خوبصورتی سے سمجھایا اور آگاہ کیا ہے۔ یہ شمارہ اسّی صفحات پر مشتمل ہے اور قیمت پانچ روپے ہے اور علامہ اقبالؒ کے نام معنون کیا گیا ہے۔

جون جون کے شمارہ کو اگر ملک کے سیاسی اور سماجی نظام میں ہونے والی تبدیلیوں کے پس منظر میں دیکھا جائے تو "حاملینِ پرچم تحریکِ طلوعِ اسلام" کی مثبت تعمیری سوچوں اور جرأت و بے باکی کی داد دینی پڑتی ہے۔ کئی سال کی آمریت اور شخصی حکومت کے بعد ملک میں جمہوری نظام رائج ہوا ہے اور پہلی مرتبہ ملک کے دس کروڑ عوام کی تقدیر، ایک عورت کی صوابدید اور پالیسیوں پر ٹھہری ہے۔ دنیائے اسلام میں اسے ایک ایسی مثال قرار دیا گیا ہے جو تاریخ میں نہیں ملتی ـــ مذہبی دنیا نے اسے حیرت و استعجاب سے ہی نہیں بلکہ صدیوں کے اس تصور کی روشنی میں دیکھا ہے کہ

"عورت کی عملداری گھر کی چار دیواری تک محدود ہے"

ـــ ہر چند کہ طلوعِ اسلام کا مسلک ابتدا ہی سے یہ رہا ہے کہ یہ شخصیت پرستی کو لعنت سمجھتا آیا ہے اور ہر قسم کے انسانی نظامِ حیات کے لئے انسان کے بنائے ہوئے قوانین کو غیر قرآنی اور شرک کے مترادف سمجھتا آیا ہے لیکن قرآن نے عورت کو مساوی درجہ دیا ہے لہٰذا محض اس تصورِ قرآنی کو سامنے رکھتے ہوئے محترمہ وزیرِ اعظم کے نام ایک کھلی چٹھی شائع کی ہے جس میں انہیں بہت سے خطرات سے آگاہ کیا ہے۔ بہت سے مشورے دیئے ہیں اور آخر میں گذارش کی ہے کہ

"اب اس مملکت کی زمامِ اقتدار آپ کے ہاتھ میں ہے اور آپ اس مملکت کے عوام کے لئے بنیادی حقوق کی CHAMPION بن کر سامنے آرہی ہیں۔ آپ یقیناً آرزومند ہوں گی کہ آپ کا نام پاکستان کے مطلعِ سیاست پر دوام حاصل کرلے۔

آپ کو یہ سعادت حاصل ہو سکتی ہے اور اس کا طریقہ بھی نہایت آسان ہے۔ اس کے لئے آپ کو کرنا صرف یہ ہوگا کہ آپ پاکستان کے دستور میں یہ شق شامل کرا دیں کہ :۔ "بنیادی حقوقِ انسانیت اللہ تعالےٰ کے عطا کردہ ہیں اور ہمیں یہ اس کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے ملے ہیں لہٰذا ان حقوق کو تبدیل، معطل، یا سلب کرنے کا حق کسی شخص یا ادارہ کو نہیں۔" یہی کھلا خط دراصل اس شمارہ کے 'لمعات' کا موضوع ہے ـــ باقی بیشتر مضامین بھی کسی نہ کسی اعتبار سے اسی محور کے گرد گھومتے نظر آتے ہیں ـــ علامہ مرحوم کا مضمون "جماعتی زندگی" خالد محمود سید صاحب کا مضمون 'قرآن اور سیاست' محترمہ ثریا عندلیب صاحبہ کا مضمون 'اسلامی حکومت کا عہدنامہ' قاسم نوری صاحب کا مضمون "مومن کیسے بنیں؟ نفاذِ اسلام کیسے ہو؟"

طلوعِ اسلام کے مدیر معاون محمد عمر دراز صاحب کا نام پہلی مرتبہ بحیثیت قلمکار و مضمون نگار اس شمارہ میں نظر آیا ہے۔

"وحیٔ خداوندی کیا ہے ـــ اور انسانی تخلیق کو اللہ کی وحی کا نام دے کر انسانوں تک پہنچانے والوں کی پہچان کا خدائی معیار کیا ہوتا ہے؟" انھوں نے یہ بات بڑے سہل اور خوبصورت دو ٹوک انداز میں سمجھائی ہے ـــ اسی طرح بچوں کے صفحات میں یہ بات سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اللہ کون ہے اور اس کا تعلق انسانوں سے کیا ہے؟ ـــ اس شمارہ میں بھی انگریزی حصّہ کو نظرانداز نہیں کیا گیا اور "انتاریو کینیڈا" سے مرسلہ ڈاکٹر منصور عالم صاحب کا مضمون بڑا معلوماتی ہے اور پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ عنوان ہے۔ ON THE OPTICAL ORGANIZATION OF HUMAN SOCIETY۔ اس شمارہ میں تحریکِ فکرِ قرآنی کے جسد میں نیا خون کا اضافہ 'تین صاحبانِ فکر و فہم کی شکل میں ظاہر ہوا ہے ـــ

جولائی جولائی کا شمارہ اپنے ارتقائی مدارج کی اہم کڑی ہے۔ اس کے مندرجات سے اندازہ ہوتا کہ مقصدِ تحریک "سُست گام" سہی مگر محوِ سفر ضرور ہے۔ 'لمعات' کے دو موضوع ہیں دونوں ہی بڑے اہم ہیں۔ ملک میں نفاذِ شریعت کے لئے بہت زور دیا جا رہا ہے ـــ طلوعِ اسلام نے بڑی جرأت سے تنبیہ کی ہے کہ یہاں صرف قیامِ دین الحق ہی ہونا چاہیئے اور فقہوں کی شریعت کے بجائے اللہ کی شریعت نافذ کی جانی چاہیئے۔ دین الحق کیا ہے اور کس طرح نافذ کیا جا سکتا ہے اس کی تفصیل بھی درج ہے ـــ

اس کے علاوہ ملک کی خاتون وزیراعظم محترمہ بے نظیر بھٹو کو مئی کی گزارشات کی یاددہانی کرائی گئی ہے اور ایک مرتبہ پھر کہا گیا ہے کہ انسان کے غیر متبدل بنیادی حقوق کو جمہوری اقوام کی ایسوسی ایشن سے تسلیم کرائیں۔ اگر انہوں جرأت سے کام لے کر یہ کارنامہ سرانجام دے لیا تو نوعِ انسانی پر بھی ان کا احسانِ عظیم ہوگا اور تاریخ میں بھی وہ اپنا مقام بنائیں گی۔

ڈاکٹر عبدالودود صاحب، قرآن کے دعاوی کی تصدیق سائنس کے انکشافات سے کرنے کے لئے خاص شہرت رکھتے ہیں اور ان کی نظر اس پر بڑی عمیق اور گہری ہے ـــــ اس شمارہ کے لئے ان کا انگریزی کا ایک مقالہ "اوقاتِ صلوٰۃ" خاصی اہمیت رکھتا ہے ـــــ محترمہ شمیم انور اپنے مضامین کے ذریعہ سے علامہ پرویزؒ کی شخصیت اور ان کے علمی کارناموں کے علاوہ ان کی بصیرتِ قرآنی سے جس طرح پردے اٹھاتی جارہی ہیں، یقیناً آنے والا مؤرخ اس کے لئے ان کا احسان مند ہوگا ـــــ اس شمارہ میں بھی انگریزی میں ان کا مقالہ "PARVEZ, AS I KNOW HIM" شائع ہوا ہے ـــــ محترمہ ثریا عندلیب جس باقاعدگی سے طلوعِ اسلام کے لئے لکھ رہی ہیں وہ ان کی ہمت اور قرآن سے ان کی لگن کی دلیل ہے ـــــ "شیطان نے بہکایا" پڑھنے سے تعلق رکھنے والا ان کا مضمون ہے ـــــ

اس شمارہ سے ادارہ اور منتظمین کا وہ مقصد سامنے آنا شروع ہوگیا ہے جس کے عزائم کا اظہار وہ کرتے رہے ہیں اور وہ یہ ہے کہ لوگوں میں از خود قرآن میں غور و فکر کی عادت پڑے اور وہ زندگی کے مسائل کا حل خود قرآن میں تلاش کرنا سیکھیں ـــــ اور اسی مقصد کے لئے ریسرچ سکالرز لائبریری کا قیام بھی عمل میں لایا گیا ہے۔

از خود قرآن میں غور و فکر اور ریسرچ کے مظاہر اس شمارہ کے دو مضامین بنے ہیں۔ ایک، افتخار احمد صاحب کا مضمون "قرآن اور باٹنی" ہے۔ جس میں زندگی کو بطور ایک سائنس پیش کیا گیا ہے اور پھلوں پھولوں کے رنگ، انسانوں کے رنگ، ذائقوں میں اختلاف کو قرآنی دعاوی کو ملحوظ رکھتے ہوئے سمجھانے کی بڑی اچھی کوشش کی گئی ہے ـــــ

دوسرا مضمون ہے۔ "شادی۔ مجبوری یا ضرورت" ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ اسلام سمیت دنیا کے کسی مذہب میں شادی فرض نہیں ہے اور شادی کا جو تصور ہمارے ہاں رائج ہے وہ سراسر غیر قرآنی ہے۔ یہی نہیں بلکہ شوہر اور بیوی کے درمیان "رفاقت" کا تصور بھی وہ نہیں ہے جو قرآن پیش کرتا ہے ـــــ مروجہ شادی اور رسومات کی پوری تاریخ کا احاطہ کیا گیا ہے ـــــ بچوں کا صفحہ جاری ہے اور اس شمارہ میں بچوں کو ان کی ذہنی سطح کے مطابق 'اللہ' کا مفہوم اور قرآنی تصور بتانے اور سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے ـــــ

اگست اگست کے زیرِ تبصرہ شمارے کو بلا تامل "تحریکِ پاکستان نمبر" کہا جا سکتا ہے ۔ تحریکِ پاکستان کیا تھی؟ اس کے مقاصد کیا تھے ۔ کن راہوں سے اس تحریک کا قافلہ گزرا اور کن مخالفتوں کے ہجوم سے نبرد آزما ہوا ۔ جس شرح و بسط کے ساتھ اور جن صداقتوں اور تاریخی شواہد کے ساتھ اس شمارے کے مضمون نگاروں نے بیان کیا ہے وہ شاید دوسرے کسی مقام پر مشکل سے نظر آئے گا ۔

"لمعات" کے کالموں میں سرسید احمد خاں علیہ رحمۃ کی جدوجہدِ آزادی اور مسلمانوں کی بقا و فلاح کے لئے تڑپ کی داستان سے لے کر قیامِ پاکستان تک کے سفر کو جن چند لفظوں میں سمیٹا گیا ہے وہ قابلِ ستائش ہے ۔ لیکن اس کا اہم ترین حصہ وہ ہے جہاں قیامِ پاکستان کے بعد ملت کھڑی ہے ۔ اپنے مستقبل کے سفر میں، ملک جس چوراہے پر پہنچا ہے اور جہاں سے مختلف سمتوں میں مختلف راستے جاتے دکھائی دیتے ہیں ۔ راہنمائی کے فریضہ کا یہی اصل مقام ہے اور طلوعِ اسلام نے اپنے فرض کو احسن انداز میں پورا کیا ہے۔

جناب پرویز صاحبؒ کا ایک مضمون "کیسا حسیں تھا یہ خواب؟!" دلوں کو جھنجوڑ دینے کے لئے کافی ہے۔ اسے پڑھ کر کوئی حساس دل، روئے بغیر نہیں رہ سکتا ۔

ایک معرکتہ الآرا مضمون "تحریکِ پاکستان اور پرویزؒ" ادارہ کی طرف سے شائع کیا گیا ہے اور پہلی مرتبہ ان حقائق پر سے پردہ اٹھایا گیا ہے جو پرویز علیہ الرحمۃ کی اس تحریک سے وابستگی پر پڑے ہوئے تھے اور قائداعظمؒ سے ان کے ذاتی مراسم کے درمیان حائل تھے ۔ اس کی تفصیل تو کافی لمبی ہے لیکن "قائداعظمؒ کا ایک خط جناب پرویزؒ مرحوم کے نام" کا عکس شائع کیا گیا ہے ۔ یہ خط قائدِاعظمؒ نے نئی دہلی (بھارت) میں اپنی قیام گاہ ۱۰، اورنگ زیب روڈ، سے ۱۴ جنوری ۱۹۴۷ء کو لکھا تھا اور جس میں پرویزؒ صاحب سے مشورہ مانگا تھا کہ مستقبل قریب میں پاکستان میں بننے والی سیکرٹریٹ میں کون سے لوگ مناسب ہوں گے ۔ یہاں ان کے خط سے صرف ایک لائن درج کرنا مناسب ہوگا۔

"WILL YOU PLEASE SEND ME THE NAMES OF THOSE, WHO YOU THINK WILL BE THE REAL SERVANTS OF OUR FUTURE SECRETARIATE ?"

پرویزؒ صاحب کی عظمت، سیاسی و علمی بصیرت اور فہم قرآنی کے ساتھ ساتھ قائداعظمؒ کی نظر میں ان

کی اہمیت اور ان کا مقام صرف اس ایک بات سے واضح ہو جاتا ہے کہ بانیٔ پاکستان، مستقبل میں قائم ہونے والی سیکرٹریٹ کے لئے موزوں افراد سے متعلق ان سے مشورہ طلب فرماتے ہیں۔

انگریزی زبان میں بھی محترم پرویز صاحب کا مضمون "GENEASIS AND IDEOLOGY OF PAKISTAN" اس شمارہ کی زینت ہے اور اس میں وہ حقائق بیان ہوئے ہیں جن سے کوئی مؤرخ نظریں چرائے بغیر آگے گزر ہی نہیں سکتا۔

ادارہ نے اپنے فرائضِ منصبی سے ذرہ بھر کوتاہی نہیں برتی ہے۔ اس شمارہ کے ذریعہ سے (انگریزی) زبان میں) کھلی چٹھی محترمہ وزیراعظم پاکستان کو پھر لکھی ہے اور پھر انہیں متنبہ کیا ہے کہ وقت کی اہمیت اور ضرورت کو سمجھیں اور دینی تقاضا پورا کریں اور انسانی بنیادی حقوق کو آئین پاکستان کی بنیادی شقوں میں شامل فرمائیں۔

مدیر طلوعِ اسلام نے اس شمارہ سے سابقہ روایت میں جدت سے کام لینے کی کوشش ہے۔ "سچی کہانیوں" کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ پہلی کہانی جناب عبداللہ ثانی صاحب کی ہے جس کے ذریعہ سے یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ تعلیم یافتہ انگلش میڈیم بچے یا وہ بچے جو آزاد اور غیر ملکی ماحول میں پڑھتے اور رہتے ہیں۔ جب پاکستان آتے ہیں اور مذہب میں غیر قرآنی روائتوں اور رسموں کو دیکھتے ہیں، تو اسلام سے ہی متنفر ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک اچھی کوشش ہے اور چونکہ سچے واقعات پر مبنی ہوا کرے گی اس لئے یقین سے کہا جا سکتا ہے مثبت نتائج کی حامل ہوگی۔

مدیر معاون محمد عمر دراز صاحب نے باہمی "معاہدات" کی قرآنی اہمیت و حیثیت کے بارے میں دو صفحات کے مختصر سے مضمون کے ذریعہ سے آگاہ کیا ہے۔ زندگی کی چھوٹی چھوٹی حقیقتوں کے بارے میں آگاہ کرنے کا یہ سلسلہ اگر اسی طرح جاری رہے تو انقلاب آفریں ہو سکتا ہے۔

"حقائق و عبر" میں "مولوی صاحبان کا اسلام" حدود آرڈیننس کی ناکامی "ہندوستانی مسلمانوں کی دینداری" ملک کے علماء کرام کے آپس کے اختلافات اور باہمی دشنام طرازی اور جماعت اسلامی کی موجودہ حکومت کے بارے میں متضاد پالیسی پر خوب خوب اور دلچسپ تبصرہ کیا ہے۔ بچوں کے صفحات کو دنیا بھر میں بڑی پذیرائی حاصل ہو رہی ہے۔ اس شمارہ میں "انسان" کا تعارف قرآن کی زبان میں کرایا گیا ہے اور معلومات افزا ہے۔

ستمبر ستمبر کے شمارہ میں مزید نئے نام نظر آتے ہیں اور یہ دیکھ کر ایک گونہ مسرت ہوتی ہے کہ ادارہ طلوع اسلام نئی سوچ اور نئی فکر کو تلاش کرنے سے غافل نہیں ہے۔

احمد۔ دین الحق قاضی، حسین امیر فرہاد صاحب، ملک حنیف وجدانی صاحب اور بشیر احمد عابد صاحب تحریکِ قرآنی کے باغ میں گلرنگِ نو بہار کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن ــــ، چونکا دینے والی جس بات کا انکشاف "لمعات" میں کیا گیا ہے وہ بڑی مسرور کن اور دلپذیر ہے۔ پہلی بار قارئینِ طلوعِ اسلام کے سامنے یہ حقیقت واشگاف ہوئی ہے۔

"پرویزؒ جس نے زندگی کے آخری سانس تک عملی سیاست میں حصّہ لینا اپنے لئے ممنوع قرار دئے رکھا، حصولِ پاکستان کی سیاسی جنگ میں قائداعظمؒ کے معتمد ساتھی اور جری سپاہی کے طور پر جنگِ آزادی میں گراں قدر خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔ (حکومتِ پنجاب نے ان کی اس عظمت و مقام کا اعتراف کرتے ہوئے) ۱۴ اگست ۸۹ء کو ایک شاندار تقریب میں انہیں **تحریکِ پاکستان گولڈ میڈل ۸۹ء** سے نوازا ہے ــــ"

اس اعترافِ عظمت پر حکومتِ پنجاب کی طرف سے ایک کتاب بھی شائع کی گئی ہے جس میں دئے گئے حوالوں کے اقتباسات بھی اس شمارہ میں شائع کئے گئے ہیں۔ یہ اعتراف اور گولڈ میڈل حکومت کی طرف سے بڑی اہمیت کا حامل ہے اور اس یقین کو تقویت پہنچاتا ہے کہ ایک وقت آئے گا جب ساری دنیا پرویزؒ کی بصیرتِ علمی اور فہمِ قرآنی کا اعتراف کرے گی ــــ قندِ مکرر کے طور پر پرویزؒ صاحب کے دورِ شباب کی ایک جوان تحریر "جدید شاعری کا مظہرِ اتم" بھی شاملِ اشاعت ہے ــــ ارشاد احمد صاحب نے "غلام احمد پرویزؒ" کے عنوان سے عمدہ باتیں کہی اور لکھی ہیں ــــ بشیر احمد عابد صاحب جو جدّہ میں مقیم ہیں اور اس تحریک سے بڑی لگن رکھتے ہیں، ان کا مضمون "مرکزیت شرطِ اوّلین" قابلِ ستائش ہے۔ حسین امیر فرہاد صاحب نے "معجزۂ شق القمر" کی حقیقت پر سے پردہ اٹھانے کی بات کی ہے اور غلط عقائد کی نشاندہی کی ہے۔

اعزاز الدین احمد خاں صاحب، جو ریٹائرڈ بریگیڈیئر ہیں اور کنونشن ۸۸ میں بصیرت افروز مقالہ پیش کر چکے ہیں، اس شمارہ میں اپنے مخصوص انداز میں جنگِ پاک بھارت ۷۱ء کے حوالے سے سچا واقعہ سناتے ہیں اور اس واقعہ کا مناسب ترین عنوان رکھا ہے۔ "ایہہ پُتر ہٹاں تے نہیں وکدے" ــــ دین الحق قاضی صاحب اپنے مضمون "ماضی۔ حال۔ مستقبل" میں تاریخی اور قرآنی حوالوں سے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ باہمی اختلاف سے بلند ہو کر ہمیں ملک و ملّت کی تعمیرِ نو میں قدم

بڑھانا چاہیئے ـــــ محترم صلاح الدین اکبر صاحب "رودادِ چمن" کے عنوان سے معلوماتی مقالہ تحریر کیا ہے۔ طرزِ حکومت کیسا ہو؟ شخصی، جمہوری، مشاورتی یا کوئی مختلف؟ اب تک جو بحثیں ہوتی آئی ہیں اور تجربے کئے جاتے رہے ہیں۔ ان کے نتائج کیا برآمد ہوئے؟ آخر میں اس ساری بحث کو سمیٹتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے قرآنی احکام کے حوالے سے جو نتیجہ برآمد کیا ہے اور جس راہ کی نشان دہی کی ہے درحقیقت وہی سیدھی اور منفعت بخش ہے۔

گزشتہ ماہ "سچی کہانی" شائع کی گئی تھی ـــــ اس کہانی کا تتمہ لے کر تشریف لائے ہیں ملک حنیف وجدانی صاحب، اور "سچی کہانی" کا دوسرا رُخ پیش کیا ہے اور آسان فہم انداز میں قرآنِ حکیم کے حوالے سے سمجھایا ہے کہ قبر میں عذاب دئے جانے کا تصور قطعاً غیر قرآنی ہے۔ یہ محض افسانہ طرازی اور افترا علی اللہ ہے۔

محترمہ ثریا عندلیب صاحبہ نے اس شمارہ میں بڑا معلوماتی اور دلچسپ مقالہ پیش کیا ہے۔ "قائداعظم اور خواتین" مندرجات کی اہمیت کا اندازہ عنوان سے ہی لگایا جا سکتا ہے۔

مدیر طلوعِ اسلام نے طلوعِ اسلام کی ایک بھولی ہوئی روایت کی تجدید بھی کی ہے اور "منظوم کلام" کو بھی پرچہ میں جگہ دی ہے ـــــ ایک قانون دان اور علم و ادب کے حقیقی نباض غلام رسول ازہر کی خوبصورت نظم شائع کی ہے۔ نظم کا عنوان ہے ـــــ "ہم ہیں حرفِ لا الٰہ کے ترجماں"۔

سپریم کورٹ کے جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ کا مقالہ CONCEPT OF AN ISLAMIC STATE" نظر نواز ہوا ہے ـــــ ایک اسلامی سٹیٹ کیا ہوتی ہے اور اسے کیا ہونا چاہیئے"۔ ایک ماہر قانون دان، منصف اور مسلم پاکستانی کے نقطۂ نظر سے جس طرح اس میں بحث کی گئی ہے۔ وہ بڑی ہی توجہ اور غور و فکر کی حامل ہے۔

"فرشتے" یہ عنوان بچوں کے صفحہ کا ہے ـــــ یہ کون ہوتے ہیں۔ ہوتے بھی ہیں یا نہیں؟ اور ہماری زندگی سے ان کا کیا تعلق ہے ـــــ؟ قرآن کی زبانی، بچوں کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

اکتوبر اس ماہ کے "لمعات" میں عوام الناس کی توجہ معاشرہ کے اہم ترین جس مسئلہ کی طرف دلائی گئی ہے اور قرآن کے نقطۂ نظر سے اس کا جو حل پیش کیا گیا ہے،

اسے پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ کسی بات کو سمجھنا بلاشبہ اہمیت و خوبی کا حامل ہوتا ہے لیکن اگر بات کو دوسروں تک اس طرح پہنچایا جائے کہ وہ دوسروں کی سمجھ میں بھی آجائے جیسا کہ سمجھانے والا چاہتا تھا، تو یہ ایک آرٹ بن جاتا ہے ـــــ معاشرہ میں رہنے کے آداب کیا

ہوتے ہیں ـــــ سکون و آشتی اور خوف و حزن کے بغیر کیسے جیا جا سکتا ہے اور مہذب قومیں کس طرح مہذب بنتی اور کہلاتی ہیں؟ جس مختصر سے انداز میں اس میں سمجھایا گیا ہے اور پھر جس طرح ہماری کمزوریوں کی نشاندہی کی گئی ہے وہ کم کم کہیں دیکھنے میں آئی ہے ـــــ

● ـــ "منشیات" اب صرف ہمارا ہی نہیں، ساری دنیا کا اعصاب شکن مسئلہ ہے اور اس لعنت سے چھٹکارا پانے کے لئے کروڑوں اربوں ڈالر پانی کی طرح بہائے جا رہے ہیں ـــــ اس موضوع پر سید انعام الحق کا مضمون "منشیات" شریکِ شمارہ ہے ـــــ مختصر ہونے کے باوجود قابل مطالعہ ہے اور اہمیت کا حامل ہے۔

● ـــ عبداللہ ثانی صاحب، جو ایک قانون دان ہیں، کی قلم سے مضمون ہے ـــــ "گواہ کی حیثیت" قرآن کی نظر میں کیا ہوتی ہے؟ کون لوگ گواہی دے سکتے ہیں؟ کن کی شہادت معتبر ہو سکتی ہے ـ گواہی دینے اور گواہی لینے والوں کی خصوصیات کیا ہوں گی؟ یہ اور ایسے ہی متعدد سوالوں کا جواب اس مضمون میں دیا گیا ہے ـــــ اور اگر اس میں سمجھائے گئے قرآنی اصولوں کو سامنے رکھا جائے تو یقیناً معاشرہ برائی سے یکسر پاک ہو جائے اور عدل و انصاف کے تقاضے قلبِ انسانی کے اطمینان کے ساتھ پورے ہو جایا کریں۔

● ـــ اب یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ نظریۂ پاکستان کی مخالفت جس قدر اور جس شدت سے جماعتِ اسلامی نے کی تھی کٹر سے کٹر دشمن نے بھی نہیں کی ـــــ ایام ماضی کی روئیداد مستند حوالوں کے ساتھ ایک بار پھر طلوعِ اسلام کے صفحات میں شائع کی گئی ہے اور یہ روئیداد سنا رہے ہیں، محمد رمضان قادری صاحب اور ان کے مضمون کا عنوان ہے ـــــ "نظریۂ پاکستان اور مولانا مودودی"۔

● ـــ ایک دلچسپ مضمون محمد ارمضان ثاقب صاحب کا ہے۔ "بخاری شریف ائمہ حدیث کی نظر میں" ہمارے ہاں بخاری شریف کو قرآن مجید کے بعد اسلام کی سب سے زیادہ صحیح کتاب تسلیم کیا جاتا ہے لیکن ثاقب صاحب نے خود ائمہ حدیث کے مستند حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ بخاری شریف کو (دو چار نے نہیں) بیشتر ائمہ حدیث نے صحیح تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا ـــ اس مضمون کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ایک طرف تو حالت یہ ہے کہ اگر آج کوئی امام بخاریؒ کی ضعیف ترین کسی حدیث کا بھی انکار کر دے تو اُسے مرتد، کافر اور قابلِ گردن زنی قرار دے دیا جاتا ہے جبکہ خود جلیل القدر ائمہ حدیث کی پوری جماعت نے امام بخاری کو متروک الحدیث قرار دے کر ان کی پیشکردہ، اور فراہم کردہ احادیث کو مسترد کر دیا تھا۔

● ــــ "مِثلہٗ مَعَہٗ" دراصل ایک سوال تھا جو "طلوعِ اسلام" نے جون ۸۹ء کے شمارہ میں بطور چیلنج تمام دنیا کے "علمائے مذہب" کے سامنے رکھا تھا۔ پوچھا یہ گیا تھا کہ "جب اللہ تبارک وتعالےٰ کے ارشاد کے مطابق دنیا بھر کے جنّ و انس مل کر بھی قرآن کی مثل نہیں لا سکتے، تو احادیث کو قرآن کی مثلہٗ معہٗ کا درجہ کیسے دیا جا سکتا ہے۔ (قرآن کا دعویٰ ہے کہ اس جیسی ایک آیت ہی بنا کر دکھا دو۔ اس کے مثل کبھی کوئی چیز ہو ہی نہیں سکتی: ۱۷/۸۸)

اس کا جواب تو کسی طرف سے نہیں ملا اور قیامت تک مل بھی نہیں سکتا لیکن اس کی تائید وحمایت میں بڑے مؤثر انداز سے بشیر احمد عابد صاحب نے ریاض سعودی عرب سے ایک مضمون بھیجا اور بڑے ہی مؤثر انداز میں اس پر بحث کی ہے اور خاص طور پر اس دعویٰ کی حقیقت کو باطل ٹھہرایا ہے کہ احادیث کے بغیر قرآنِ کریم کو سمجھا ہی نہیں جا سکتا۔ اس مضمون کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن کی روشنی کس کس طرح اربابِ فکر وبصیرت کے اذہان کو منوّر وتابناک کرتی جا رہی ہے ــــ

● ــــ "حرفِ دلنواز" علامہ پرویز علیہ رحمۃ کا وہ بصیرت افروز خطاب ہے جو انہوں نے طلوعِ اسلام کنونشن ۶۴ء کو بڑے ہی دلگداز انداز میں پیش کیا تھا جس میں بتایا یہ تھا کہ اسلام' اپنی تحریک کے آغاز میں کس طرح خود اہلِ تحریک کے حاسدوں اور دشمنوں کے ہاتھوں ابتلاء وآلام سے دوچار ہو گیا تھا ــ دشمن سامنے ہو تو مقابلہ آسان ہوتا ہے۔ یہی دشمن ہماری صفوں میں 'دوست' کے روپ میں ہو تو کس قدر خطرناک ہوگا اور ہو سکتا ہے؟! اس کی تفصیل آئینہ کی طرح 'حرفِ دلنواز' میں سامنے آتی ہے ــــ پرویزؒ صاحب کا اندازِ معجز رقم ــــ اور وابستگانِ تحریک کو یہ انتباہ کہ خبردار دوست دشمن کی پہچان کے بغیر آگے بڑھتے چلے گئے تو خود بھی ڈوبو گے اور تحریک کو بھی سبوتاژ کردو گے۔ یہ بڑا معنی خیز اور بڑا بروقت نظر آتا ہے۔

● ــــ "خطابِ ناروے" محمد ارشاد صاحب کے مضمون کا عنوان ہے۔ محمد عمر دراز صاحب نے ۲۸ مئی ۸۸ء کو پرویزؒ صاحب کے بارے میں کچھ حقائق پیش کئے تھے۔ حقائق ایسے بھی تھے جو عام نظر سے اوجھل اور مخفی رہ گئے تھے۔ محمد ارشاد صاحب نے اپنے مضمون میں بڑی شرح وبسط کے ساتھ ان کی پردہ کشائی کی ہے اور جو لوگ "اپنا قد" بڑھانے کے لئے بانیٔ پاکستان اور شریکِ تحریکِ پاکستان علامہ پرویزؒ پر نکتہ چینی اور اتہام والزام تراشی کرتے ہیں، ان سے بڑے معنی خیز سوالات پوچھے ہیں یہ سوالات معترضین کے چہرۂ افتراء پر تھپڑ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

● ــــ بچّوں کے صفحہ میں اس بار بتایا گیا ہے۔ "رسول" کون ہوتا ہے ــــ کیوں ہوتا ہے اور اس کی اہمیت کیا ہوتی ہے؟

نومبر نومبر کا شمارہ اس اعتبار سے بہت قیمتی ہے کہ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور ان کے فرائضِ رسالت کے بارے میں ایسی قرآنی معلومات کرتا ہے جو پیشتر ازیں سامنے نہیں آسکی تھیں۔ علامہ مرحوم نے اپنی زندگی میں "رحمۃ للعالمین" کے عنوان سے بڑا ہی بصیرت افروز مقالہ پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا تھا ـــــ اس کے مندرجات ان کی اپنی تالیف "معراجِ انسانیت" سے اخذ کردہ تھے ـــــ معراجِ انسانیت ساری دنیا کی سیرتوں میں واحد ایسی سیرت النبیؐ ہے جو دینی اور انسانی عقیدتوں کی بنیاد پر نہیں لکھی گئی بلکہ قرآنِ کریم کے ذریعہ سے خود اللہ تعالےٰ نے ذاتِ محمدؐ کا جس طرح تعارف کرایا ہے اور جو سیرت بیان کی ہے۔ وہی درحقیقت "معراجِ انسانیت" ہے ـــــ ایک تعارف وہ ہوتا ہے جو کوئی انسان کسی دوسرے انسانوں کا کراتا ہے لیکن جس کا تعارف اللہ جل شانہٗ خود کرائیں اور اسے سارے جہانوں کے لئے رحمت بھی قرار دیں، اس ذاتِ اقدس اعظم کا مقام "معراجِ انسانیت" سے ہی معلوم کیا جاسکتا ہے ـــــ

اسی شمارہ میں علامہ پرویزؒ کا ایک انگریزی مضمون بھی شائع ہوا ہے۔ "WOMAN"

پرویز صاحبؒ نے قرآنی تصور کے ساتھ ساتھ مغرب کے عظیم تاریخ دان اور جنسیات کے موضوع پر مستند مفکر ڈاکٹر جے۔ ڈی۔ اَن وِن کی کتاب "SEX AND CULTURE" کے حوالوں سے جو نتائج و عواقب اخذ کرکے، مشرقی دنیا کے سامنے پیش کئے ہیں وہ بجائے خود تاریخ کا ناقابلِ فراموش حصّہ ہیں۔

● ـــ "لمعات" تین حصّوں پر مشتمل ہے اور تینوں ہی پرویزؒ صاحب کی تحریروں سے مستنبط ہیں پہلا حصّہ "میلاد النبیؐ کا پیغام" دوسرا حصّہ شریعتِ الٰہی اور تیسرا حصّہ علامہ محمد اقبالؒ" ہے ـــــ پہلے حصہ میں بتایا گیا ہے کہ نجات و سعادت اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک پیامِ محمدؐ کو سمجھا نہ جائے اور "اندھی عقیدت" کے بجائے کھلی آنکھوں سے ان کی سنّت و اُسوہ پر عمل نہ کیا جائے۔

دوسرے حصّہ میں بتایا گیا ہے کہ شریعت کے احکام دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جن میں کسی قسم کا تغیّر و تبدّل نہیں ہوسکتا اور دوسری قسم ان احکامات کی ہے جو اُمّت کے عام حالات سے تعلق رکھتے ہیں اور چونکہ حالات بدلتے ہوئے زمانے کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ اس لئے ان کے متعلق احکام بھی اٹل نہیں ہوسکتے اور ان کی روشنی میں جزئیات بنانے کا دروازہ ہر وقت اور ہمیشہ کھلا رہنا چاہیئے۔ اس دروازے کو بند کردینا دین میں خلافِ فطرت سختی پیدا کردینا ہے۔

تیسرا حصہ حکیم الامت علامہ اقبالؒ کے قرآنی پیغام اور اس پیغام کی عملی تکمیل کے لئے سیاسی جدوجہد پر مبنی ہے۔

"اقبال کافر کیوں کہلایا؟" اس مضمون میں تاریخ کے ایک خونچکاں حوالے سے جس میں حاکم عراق خالد بن عبداللہ نے اپنے وقت کے جید عالم "امام جعد بن درہم" کو عین عیدالضحیٰ کی صبح اپنے ہاتھ سے ذبح کیا تھا اور مفتیٔ اعظم کے فتوے کی روشنی میں ان کا گوشت جانوروں میں تقسیم کرایا تھا ــــ، یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ جب بھی اور جہاں بھی "قرآنِ خالص" پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ "اہلِ ایمان کے لئے 'پُل صراط' ثابت ہوئی ہے اور اقبالؒ کا جُرم بھی صرف اتنا تھا کہ اس نے مروجہ مذہب کے بجائے 'قرآن کی بات کی تھی۔

● ــــ "ضابطۂ حیات" محترمہ ثریا عندلیب کی تحریر ہے۔ جس کا دشِ فکر سے وہ سوچتی اور لکھتی ہیں یہ مظہر ہے ان کی قرآنِ کریم سے والہانہ وابستگی کی۔

● ــــ ارمغان ثاقب نے اس مرتبہ "یورپ میں اسلامی احکام کی تعبیر" پیش کی ہے ــــ ان دنوں انگلستان میں چونکا دینے والا واقعہ پیش آیا تھا۔ جولائی ۸۹ء میں ایک پاکستانی نژاد برطانوی مسلمان عبدالمالک نے اپنی حقیقی بیٹی پروین ملک کو چھری سے ذبح کر ڈالا تھا۔ اس کا جرم یہ تھا کہ اس نے ایک غیر مسلم انگریز سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا ــــ وہاں کے مسلم علماء نے فتویٰ دیا کہ یہ لڑکی دینِ اسلام سے مرتد ہو گئی ہے لہٰذا واجب القتل ہے اور باپ نے قتل کر ڈالا۔ پولیس نے باپ کو گرفتار کر کے جیوری کے سامنے پیش کر دیا اور دنیا بھر کے اخبارات میں یہ بحث چل نکلی کہ مرتد کی سزا قتل ہو سکتی ہے یا نہیں؟" مغربی دنیا نے اس فعل کا کیا نوٹس لیا اور اسلام کی کیا تعبیر کی ــــ؟ اس کا جائزہ ثاقب صاحب نے اپنے مضمون میں لیا ہے اور قرآنی حوالوں سے "جرمِ ارتداد" کے بارے میں فیصلہ ہمارے سامنے رکھا ہے کہ "ارتداد کرنے والے دراصل راہِ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں اور آخرت میں ان کے لئے دردناک عذاب ہے ــــ" یعنی ایسے شخص کو قتل کر دینا ہرگز ہرگز منشاءِ الٰہی نہیں قرار دیا جا سکتا

● ــــ بشیر احمد عابد صاحب

کا مضمون "فسبح باسم ربک العظیم" تقریباً سترہ صفحات پر مشتمل ہے اور انہوں نے بڑی خوبصورت مثال اور حوالوں سے سمجھایا ہے اور اس آیت کا مروجہ ترجمہ کیا جاتا ہے اور درحقیقت کیا ہونا چاہیئے اور پھر علامہ مرحوم نے ترجمہ کیا کیا تھا؟ جو مروجہ ترجموں کے برعکس یہ تھا کہ "اللہ کے ربوبیتِ عظمیٰ کے پروگرام کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے سرگرمِ عمل رہو۔"

● ــــ "ہماری بدبختی اور اس کا علاج" دین الحق قاضی صاحب کا مضمون ہے۔ اس میں ایک ایسی زندہ اور ناقابلِ فراموش حقیقت کے حوالہ سے یہ بتایا گیا ہے کہ فرقوں سے الگ ہو کر جب جب ہم خالصتاً "مسلمان" بنے، نصرت و کامرانیوں نے ہمارے قدم چومے لیکن جب ہم "مسلم" نہ رہے اور صرف شیعہ، سنی وغیرہ بنے یا بنے رہے تو زمانہ ہمیں حقارت کی نظر سے دیکھتا رہا اور ہم ذلت کے سوا کچھ بھی نہ پا سکے۔

● ــــ جنابِ مقبول محمود فرحت نے 'رابطہ باہمی' کے عنوان سے دراصل "لیڈز" (انگلینڈ) میں ہونے والی دوسری یورپی کنونشن منعقدہ ۲۷ اگست ۸۹ء کی روئیداد ارسال کی ہے جو دل و نگاہ کے لئے سامانِ فرحت و اطمینان فراہم کرتی ہے۔

● ــــ بچوں کے صفحہ میں اس مرتبہ بتایا گیا ہے کہ کتاب کیا ہوتی ہے؟ کیوں لکھی جاتی ہے اور آسمانی کتابیں کیا ہوتی ہیں؟ ــــ بچوں کے لئے قرآنی تعلیم کا یہ سلسلہ مفید ثابت ہو رہا ہے۔ اور بنظرِ پسندیدگی دیکھا جا رہا ہے۔

دسمبر یہ شمارہ بھی بلاشبہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ کچھ اس اعتبار سے بھی کہ قائدِاعظم کی ولادت اسی ماہِ دسمبر میں ہوئی تھی اور اس مناسبت سے علامہ پرویزؒ کا بڑا ہی جاں سوز اور پُرتاثیر مضمون "قائدِاعظم آپ کہاں ہیں؟" اس میں شائع کیا گیا ہے۔ جسے پڑھ کر کوئی بھی دلِ حساس تڑپے بغیر نہیں رہ سکتا ــــ دوسرے مقالات و مندرجات کی انفرادیت کی وجہ سے بھی اسے خصوصیت حاصل ہے۔

● ــــ "لمعات" دو حصوں پر مشتمل ہیں۔ پہلا حصہ ادارہ کی جرأتِ ایمانی اور دانشِ قرآنی کا ثبوت پیش کرتا ہے جس میں مرکزی اور صوبائی حکومتوں کو صاف اور دوٹوک لفظوں میں تنبیہہ کی گئی ہے کہ اگر ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی اور ذاتی مفادات و ہرزہ سرائی بند نہ کی گئی اور اپنی روش کو نہ بدلا اور اسی روش کو اختیار نہ کیا گیا جو اساسِ پاکستان بنی تھی تو پوری قوم سنگین خمیازہ بھگتے گی ــــ اس کے بعد علامہ اقبال کے ایک خط کا متن شائع کیا گیا ہے جس میں پاکستان میں اسلامی قانون سازی کے اصول پیش کئے گئے تھے اور جس کی بنیاد پر قائدِاعظمؒ نے علی الاعلان کہا تھا: "یہ مسلمہ بات ہے کہ پاکستان میں کسی صورت میں بھی "تھیاکریسی" رائج نہیں ہوگی جس میں حکومت، مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں دے دی جاتی ہے کہ وہ (بزعمِ خویش) خدائی مشن کو پورا کریں۔"

● ــــ بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) اعزاز الدین صاحب نے اپنے مضمون میں اس تصور اور عقیدے کے بُت کو

توڑا ہے کہ نبیؐ اکرمؐ روزِ محشر ہم مسلمانوں کی سفارش کریں گے اور ہمیں عذابِ الٰہی سے بچا لیں گے ۔ اپنے مضمون "نبیؐ اکرمؐ سفارش کریں گے یا شکایت ؟" میں انہوں نے قرآنی اصولوں سے ثابت کیا ہے کہ سفارش نہیں، اُلٹا رسولِ مقبولؐ ربِّ کائنات سے ہماری شکایت کریں گے ۔

● ــــ نوجوان قلمکار افتخار احمد صاحب نے "قرآنِ کریم اور عقل و فکر کی اہمیت" پر پُرمغز مقالہ لکھا ہے۔ قرآن کی بنیادی تعلیم ہی یہ ہے کہ پہلے ہر شے اور ہر بات کو عقل و فکر کی کسوٹی پر پرکھو اور پھر اختیار یا قبول کرو ــــ" اسے جس انداز اور جس زبان میں انہوں نے سمجھایا ہے۔ اس میں نوجوان ذہنوں کے لئے بڑی کشش ہو سکتی ہے ۔

● ــــ "حصولِ رزق اور تقسیم" محترمہ ثریا عندلیب صاحبہ کی قرآنی بصیرت کا عمدہ نمونہ ہے ــــ ایک مسلمان کا یقیناً یہ ایمان ہے کہ رزق اللہ تعالےٰ کی ذمہ داری ہے لیکن اللہ اپنی یہ ذمہ داری کس طرح پوری کرتا ہے اور اس باب میں ہم انسانوں سے کیا توقع رکھتا ہے ۔ یہی اس مضمون کا موضوع ہے

● ــــ "حقائق و عبر" اس شمارہ کی اہمیت کو بہت بڑھاتے نظر آتے ہیں ۔ عورت کی حکمرانی کے خلاف ایک قیامت برپا ہے ۔ دوسری طرف عورت کے قدموں میں جنت کا تصوّر بھی ہے ــــ اس بارے میں علماء کی سرپھٹول اور ایک دوسرے پر الزام تراشی دیدنی ہے ــــ کچھ دن پہلے حکومت کے ایماء پر ایک "سیورینیل سکیم" ملک بھر میں چلائی گئی تھی اور کروڑوں روپے کے انعامات کا لالچ دے کر عوام سے اربوں روپے وصول کئے تھے ــــ اس پر بعض مذہبی علماء نے ناجائز کا فتوےٰ لگا دیا لیکن طلوعِ اسلام نے ان علماء کو یاد دلایا ہے کہ اس سے قبل آپ ہی گھوڑ دوڑ پر جو جوا کھیلا جاتا ہے، اسے حلال اور جائز قرار دے چکے ہیں ۔ اسی طرح "علماء اور احترامِ مسجد" کا عنوان ہے کہ کس طرح خود علماء کے جھگڑوں، گالیوں اور سرپھٹول کی وجہ سے مسجدیں اپنا تقدس کھوتی جا رہی ہیں۔ بلکہ بعض ممالک میں تو کھو بھی چکی ہیں ۔

● ــــ بچوں کا صفحہ میں "کتاب" کے عنوان سے دوسری قسط شائع کی گئی ہے اور کتاب کا قرآنی مفہوم سمجھایا گیا ہے ۔

● ــــ آخر میں محترم ڈاکٹر عبدالودود صاحب کا انگریزی مضمون "CONCEPT OF AN ISLAMIC STATE" شائع ہوا ہے جسمیں محترم جسٹس نسیم حسن شاہ کے مضمون میں دسمبر ۸۹ء سے چند نکات کی وضاحت کی ہے ۔

قارئینِ محترم ! "طلوعِ اسلام" کے سالِ ۱۹۸۹ء کے تمام پرچوں کا بالتفصیل جائزہ آپ لے

آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ یقیناً آپ اتفاق کریں گے کہ وہ مقاصد جو "حاملینِ پرچمِ تحریک" کے پیش نظر ید میں تھے اس پر یہ کس طرح پابند و کاربند رہے ہیں۔ ان تمام مساعیِ جمیلہ میں محترم شیخ عبدالحمید صاحب کا بھی برابر کا حصہ ہے۔ شیخ صاحب باوجود اپنی پیرانہ سالی اور علالت کے سارا سال اس جہدِ مسلسل میں مصروف رہے ہیں جس کی بدولت طلوعِ اسلام ٹرسٹ قابلِ فخر اور قابلِ قدر کام انجام دینے کے قابل ہے۔

اب آخر میں سب سے اہم بات ـــــ کہ اس کے بغیر شاید فکرِ قرآنی کے سفر کا یہ جائزہ نامکمل رہے گا ـــــ وہ نام جو ۸۹ء میں ماہنامہ طلوعِ اسلام میں بحیثیت قلمکار لکھتے رہے۔

(۱) بریگیڈیر اعزاز الدین (۲) فرخندہ اعزاز (۳) افتخار احمد (۴) بشیر احمد عابد (۵) ارمغان ثاقب (۶) ملک حنیف وجدانی (۷) قاسم نوری)' (۸) محمد رمضان قادری (۹) عبداللہ خالد خاں (۱۰) سید انعام الحق' (۱۱) محمد ارشاد (۱۲) حسین امیر فریاد (۱۳) خالد محمود سید (۱۴) عبداللہ ثانی (۱۵) بیگم بلند اختر (۱۶) صالحہ نغمی' (۱۷) سلمیٰ خلیل (۱۸) ادیبہ ظفر (۱۹) خالد سرور (۲۰) تسنیم کوثر (۲۱) صابر صدیقی (۲۲) حاجی حبیب الرحمٰن (۲۳) دین الحق قاضی (۲۴) محمود الحسن (۲۵) چوہدری عطاء اللہ ایڈووکیٹ (۲۶) محمد سلیم قمر (۲۷) محمد اشرف ظفر (۲۸) محمد شفیق (۲۹) سلیم عبدالقیوم (۳۰) علی محمد چوہدری (۳۱) عبدالرحمٰن (۳۲) قمر پرویز (۳۳) مقبول الٰہی۔

(○)

جو مر نہ سکے

ان کا ذکر بھی غیر ضروری نہ ہوگا جو ۸۹ء میں ہم سے بچھڑ گئے لیکن دلوں میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔
(۱) مرزا محمد انور (۲) عبداللطیف نظامی (۳) چوہدری عبدالستار اعوان (۴) دین الحق قاضی (۵) لطیف الرحمٰن صدیقی ـــــ تین نام ایسے ہیں جن کا انتقال ۸۸ء کے آخری ایام میں ہوا تھا لیکن اس کا اعلان ۸۹ء کے پہلے شمارہ میں کیا گیا' اس اعتبار سے ان کا ذکر بے محل نہ ہوگا۔ ان میں ناظمِ ادارہ محمد لطیف چوہدری صاحب کی اہلیہ محترمہ ـــــ علامہ پرویزؒ کے حقیقی بھائی ڈاکٹر جے۔ بی ت اور کوئٹہ گورنمنٹ ڈگری کالج میں کیمسٹری کے پروفیسر شبیر احمد ہیں۔

(○)

معزز قارئین

طلوعِ اسلام

السلام علیکم

اس وقت آپ طلوعِ اسلام پڑھ رہے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ آپ برسوں سے طلوعِ اسلام پڑھتے چلے آ رہے ہوں۔ ظاہر ہے کہ آپ اسے اس لئے پڑھتے ہیں کہ آپ کو اس کی پیش کردہ فکر سے اتفاق ہے اور آپ چاہتے ہیں کہ جس قرآنی نظام کا نقشہ ان صفحات میں پیش ہوتا رہتا ہے۔ وہ جلد سے جلد قائم ہو تاکہ ظلم کا استیصال ہو، عدل عمرانی کا چرچا ہو اور افرادِ معاشرہ نشوونما ارتقاء کے تمام ممکن ذرائع سے تمتع ہو سکیں۔ یہ قدرتی خواہش آپ کے دل میں کئی مرتبہ پیدا ہوئی ہوگی اور آپ نے بڑی بے صبری اور بے چینی سے چاہا ہوگا کہ اس کے حصول کی کوئی صورت نکل آئے۔ اب جب آپ طلوعِ اسلام پڑھ کر اس فضا میں پہنچے ہیں تو آپ کے دل میں پھر سے ویسے ہی خیالات موجزن ہوں گے۔ آج ذرا طبیعت کے اس رنگ کا فائدہ اٹھائیے اور طلوعِ اسلام کے مطالعہ سے فارغ ہونے کے بعد یہ نہ کہیئے کہ اے کاش ایسا معاشرہ جلد قائم ہو جائے بلکہ ایک عملی آدمی کی حیثیت سے یہ سوچیئے کہ ایسا معاشرہ قائم کیسے ہو سکتا ہے اور آپ اس کے قائم کرنے میں کیا مدد دے سکتے ہیں؟

ایک قائم معاشرے کی جگہ نیا معاشرہ اس وقت تک نہیں لے سکتا جب تک کہ افرادِ معاشرہ حاضر و موجود سے بیزار نہ ہو جائیں اور ان کے دل و دماغ میں بہتر معاشرے کا تصور موجود نہ ہو۔ اس کے بعد ضروری ہوتا ہے کہ وہ تمام افراد جمع ہو جائیں، جو رائج معاشرے سے بے زار ہیں اور اس کے بجائے نیا نظام نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ جوں جوں یہ دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے اور لوگ اس میں داخل ہوتے جاتے ہیں، اسی طرح رفتہ رفتہ افرادِ معاشرہ اس حد تک نئے تصور سے سرشار ہو جاتے ہیں کہ وہ بوسیدہ نظام کو اکھاڑ پھینکتے ہیں اور اس کے کھنڈرات پر نئی منزل کھڑی کر دیتے ہیں۔

اب آپ دیکھئے کہ کیا آپ نے ہم خیال پیدا کرنے اور انہیں ایک رشتہ میں پرونے کا کچھ بندوبست کیا ہے۔ مثلاً آپ نے اپنا مافی الضمیر کسی کے سامنے پیش کیا، جو پہلے سے اسے نہیں جانتا تھا؟ یا آپ اپنی خلوتوں سے نکل کر اس راہ پر کبھی گئے ہیں، جہاں اور بھی ہم خیال بن سکتے ہیں؟ اگر آپ نے ایسا کر لیا ہے تو آپ نے بیج بو دیا ہے۔ اب اس کی آبیاری کیجئے اور دیکھئے کہ اس بیج کی کونپل پھوٹے اور بالآخر وہ شجرِ طیّب بن کر رہے۔ جس کی جڑیں پاتال تک پہنچ جاتی ہیں اور شاخیں آسمانوں سے باتیں کرتی ہیں۔ اس درخت کا استیصال امر محال ہو جاتا ہے۔

اگر آپ نے ابھی ایسا نہیں کیا، تو آیئے اٹھ کر ذرا آس پاس دیکھئے۔ کتنے لوگ ایسے ہیں، جو آپ ہی کی طرح طلوعِ اسلام پڑھتے چلے آتے ہیں اور سینوں میں آپ ہی کی طرح خواہشات دبائے پھرتے ہیں۔ یہ آپ کے معاونین اور رفقائے کار ہیں۔ ان سے رابطہ پیدا کیجئے۔ سبھی مل بیٹھئے اور تبادلۂ خیالات کیجئے۔ رفتہ رفتہ آپ محسوس کریں گے کہ اس سے پیشتر کبھی کبھی آپ پر تنہائی اور یاس کے جو احساسات غالب آجایا کرتے تھے۔ وہ اب کافور ہوتے جا رہے ہیں اور آپ میں مقصد کے حصول کے لئے ایک ولولۂ عمل بیدار ہوتا جا رہا ہے۔ آپ کے رفقاء بھی ایسے ہی محسوس کر رہے ہیں۔ اس فضا میں آپ دیکھئے گا کہ کام ہونا شروع ہو جائے گا۔ آپ اس راہ پر ایک مرتبہ چل دیجئے۔ پھر آپ کا ہر قدم آپ کو منزل سے قریب تر کرتا جائے گا۔ اگر آپ کو ہم خیال تلاش کرنے میں دقّت ہو تو ہمیں اطلاع دیجئے۔ ہم آپ کا نام طلوعِ اسلام میں شائع کر دیں گے۔ اس پر مقامی قارئین آپ سے رابطہ پیدا کر لیں گے۔ ہم نے خریداروں کی قصبہ وار فہرست بھی تیار کر لی ہے۔ آپ چاہیں تو اس میں سے ہم آپ کے شہر کے خریداروں کا نام دے سکتے ہیں۔

آپ اور آپ کے رفقائے کار مل بیٹھیں، تو اس اجتماع کو "بزمِ طلوعِ اسلام" کا نام دیجئے۔ اس کی تحویل میں ایک لائبریری قائم کیجئے، جو طلوعِ اسلام اور اس کی مطبوعات کو ان تک پہنچانے کا ذریعہ ہو۔ جو اب تک ان سے بے خبر رہے۔ یا جو انہیں خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ اس طرح آپ کا مرکز بن جائے گا تو پھر آپ کے پاس ایک طرف ایسے لوگ آئیں گے جو آپ کی تحریک سے متعلق مزید معلومات حاصل کرنا چاہتے ہوں گے۔ ان کی پوری تشفّی کیجئے۔ طلوعِ اسلام کے فکر سے قدرے اجنبی ہونے کی حیثیت سے ضرورت ہوگی کہ انہیں مناسب طریق سے اس فکر سے متعارف کرا دیا جائے۔ آپ یہ فریضہ انجام دیجئے۔ اس میں آپ کو اور رفقائے کار مل جائیں گے۔ دوسری طرف آپ کے پاس بعض ایسے حضرات بھی آئیں گے، جو خواہ مخواہ کی حجّت

پیدا کریں گے اور کام میں رخنے ڈالیں گے۔ ان کے اعتراضات کا پورا پورا جواب دیجئے لیکن ان سے زیادہ مت الجھئے کیونکہ انہیں کام سے سروکار نہیں۔ ان میں نہ کام کرنے کی صلاحیت ہے۔ نہ وہ کسی کو کام کرنے ہی دیتے ہیں

(ناظم ادارہ طلوع اسلام)

ضرورتِ رشتہ

بی اے، بی ایڈ، خوش شکل، خوب سیرت بیٹی
کے لئے فضول رسومات سے مجتنب، برسرِ روزگار
پوسٹ گریجوایٹ لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

ن ع معرفت، ادارہ طلوعِ اسلام، لاہور

آپ طلوعِ اسلام کی مدد کیسے کر سکتے ہیں

اپنے احباب کو طلوعِ اسلام کا خریدار بنائیے۔
اپنے شہر میں طلوع اسلام کی ایجنسی قائم کیجئے۔
کسی مقامی ایجنٹ کو تیار کیجئے کہ وہ طلوع اسلام کا لٹریچر
منگائے
... طلوع اسلام کے لئے اشتہار مہیا کیجئے

تعارف

بزمِ طلوعِ اسلام

اپنے دورِ اوّل میں، یعنی تقسیم سے پہلے، طلوعِ اسلام کا زور اس نکتہ کی وضاحت و تفہیم پر صرف ہوتا تھا۔ قرآنی اصولوں کے مطابق معاشرہ قائم کرنے کے لئے پاکستان کا حصول ازبس ضروری ہے۔ ان دنوں طلوعِ اسلام پڑھنے والے بیشمار تھے۔ اس کی تحریروں سے ان کے حوصلے بلند ہوتے تھے اور ولولۂ عمل تیز تر، لیکن تقسیم کے بعد ... گیا۔ پاکستان کے بیشتر نام لیوا، ان سنہری اور روپہلی مواقع سے تمتع میں بے طرح اُلجھ گئے جو نئی صورتحال نے ان کے سامنے پیدا کر دیئے تھے۔ قوم کو یوں "مصروف" دیکھ کر "علمائے کرام" کا وہ طبقہ آگے بڑھا جسے تحریک پاکستان میں مفادِ ملت سے غدّاری کی وجہ سے ملت نے حقارت سے ٹھکرا دیا تھا۔ اس نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ پاکستان میں شریعت کا نظام جاری ہونا چاہیئے، اور یہ نظام کیا ہوگا، یہ ہم سے پوچھئے۔

یہ بڑا کٹھن مرحلہ تھا اور ایک ایسی جنگ کا پیش خیمہ، جو اس جنگ سے کہیں زیادہ صبر آزما تھی جو ہندو اور انگریز کے خلاف لڑی گئی تھی۔ اس جنگ کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے طلوعِ اسلام پھر آگے بڑھا۔ اس نے مسلمانوں کو سوچنے کی دعوت دی، آزادانہ اور بلا تقلید۔ اس نے یہی دعوت نہیں دی کہ اب معاشرے کی تشکیل قرآنی اصولوں کے مطابق ہونی چاہیئے بلکہ بڑی وضاحت سے یہ بھی بتایا کہ قرآنی اصول کیا ہیں۔ یہ ناتواں آواز تھی، لیکن تاریخِ انسانی میں جو عظیم الشّان انقلاب آئے ہیں، ان کی ابتدا حقیر ہی رہی ہے۔ اس ثبات اور اس پر استقامت کا اثر تھا کہ طلوعِ اسلام کی دعوت عام ہونا شروع ہو گئی اور ملت کا سوچنے والا طبقہ طلوعِ اسلام کی پیش کردہ فکر کی راہ پر آ ہی گیا۔

اس راہ پر آجانے کا اثر ہے کہ جگہ بہ جگہ سے تقاضے شروع ہو گئے کہ قارئین طلوعِ اسلام مجتمع ہوں اور اپنی تنظیم کریں۔ یہ مطالبہ طلوعِ اسلام کے لئے بڑے فخر و ابتہاج کا پہلو لئے ہوئے تھا کیونکہ یہ اس کی دعوت

کی قبولیت کا واضح نشان تھا، لیکن اس کے ساتھ یہ دشواری بھی سامنے آئی کہ جماعتی تنظیم ایک نئی پارٹی کی شکل اختیار کر کے مزید تشتت کا ذریعہ بن جائے گی۔ شدید اصرار اور گہری سوچ کے بعد طلوعِ اسلام نے یہ سمجھا کہ قارئینِ طلوعِ اسلام ایک دوسرے سے رابطہ پیدا کریں اور باہمی طور پر مل جل کر یہ سوچیں کہ وہ اپنے اپنے حلقوں میں اس قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کے لئے کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ قارئین اپنے اپنے علاقوں میں "**بزمِ طلوعِ اسلام**" قائم کریں اور باہمی مشورے سے یہ طے کریں کہ انہیں اس فکر کو عام کرنے کے لئے کیا طریقے اختیار کرنے چاہئیں۔

(ناظم ادارہ طلوعِ اسلام)

مجلہ طلوعِ اسلام کے لئے آپ کا

زرِ شرکت

ایڈریس سلپ پر بائیں جانب آپ کا شراکت نمبر اور دائیں جانب وہ تاریخ درج ہے جس تاریخ تک آپ کا زرِ شرکت ہمیں موصول ہو چکا ہے۔ اسے دیکھ لیجئے اور دسمبر ۱۹۹۰ء تک واجب الادا (بحساب پانچ روپے فی ماہ) بذریعہ بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر اسی ماہ کے اندر اندر ارسال فرما دیجئے۔

آپ کی سہولت کے لئے لفافے کے اندر عند الضرورت جوابی کارڈ رکھ دیا گیا ہے۔ اُسے پُر کر کے ڈاک ٹکٹ لگائے بغیر سپردِ ڈاک فرما دیجئے تاکہ ریکارڈ درست کر لیا جائے۔ یاد رہے کہ رسالہ بذریعہ وی پی منگوانے کی صورت میں آپ کو آٹھ روپے زائد ادا کرنا ہوں گے۔

مشترکین کو مبلغ ۳۰ روپے ادا کر کے اپنے دوستوں کو ایک سال کیلئے رسالہ بطور تحفہ بھجوانے کی سہولت ۱۹۹۰ء میں بھی جاری رہے گی۔

ناظم ادارہ

عقلِ انسانی کے تجویز کردہ اور وحیٔ خداوندی کے دیئے ہوئے

معاشی نظاموں کا تقابل

مغرب کا جمہوری نظام

۱۔ کئی طبقے ایسے ہوتے ہیں جو خود کوئی تعمیری کام نہیں کرتے اور دوسرے انسانوں کی محنت کے ماحصل پر جیتے ہیں۔ مثلاً صاحبِ اقتدار طبقہ، مذہبی پیشوا، صرف روپیہ لگا کر زندگی بسر کرنے والا طبقہ۔

۲۔ جو شخص اپنی ہنرمندی سے جتنا مال و دولت سمیٹ لے وہ سب اس کی ملکیت ہو جاتا ہے اور کوئی دوسرا شخص اس کی ملکیت میں دخل انداز نہیں ہو سکتا۔

۳۔ بعض لوگ رزق کے بنیادی سرچشمہ زمین پر لکیریں کھینچ کر مختلف رقبوں کو اپنی ملکیت میں لے لیتے ہیں اور عوام کو ان ذرائع معاش سے محروم کر دیتے ہیں۔

۴۔ ہیئتِ حاکمہ کا فریضہ اتنا ہی ہوتا ہے کہ وہ لوگوں سے اپنے واجبات وصول کر لے۔ یہ اس کا ذمہ نہیں ہوتا کہ دیکھے کہ افرادِ معاشرہ کو ان کی ضروریاتِ زندگی بہم پہنچتی ہیں یا نہیں۔

۵۔ نوعِ انسانی کو مختلف گروہوں (قوموں) میں تقسیم کر دیا گیا ہے اور ہر قوم اپنی منفعت اور دیگر عوام کی تخریب کے درپے رہتی ہے۔

۶۔ عزت کے معیار اضافی ہوتے ہیں۔ جو بڑے گھرانے میں پیدا ہو جس کے پاس مال و دولت ہو، جو قوت فراہم کر لے وہی واجب التکریم ہوتا ہے، دوسرے ذلیل و حقیر ہوتے ہیں۔

۷۔ گروہ کثیر قانون بناتا ہے اور گروہ قلیل اس کے بنائے ہوئے قانون کی اطاعت پر مجبور ہوتا ہے، ایک حاکم دوسرا محکوم۔

۸۔ ہر شخص کو اجازت دیتا ہے کہ مفید یا مضر کام کرے اور جتنا مال جس طریقہ سے سمیٹ سکتا ہے، وہ حاصل کرے اور جیسے چاہے اس کا استعمال کر لے۔ بس حکومت کے قوانین کی خلاف ورزی نہ کرے۔

روس کا اشتراکی نظام

۱۔ ہر شخص کو طوعاً و کرہاً کام کرنا پڑتا ہے اور محنت کے ثمرہ میں سے اسے صرف اتنا ملتا ہے جس سے ضروریاتِ زندگی پوری ہو سکیں۔

۲۔ جس شخص کو جو کام دیا جائے، وہ اسے مجبوراً کرنا پڑتا ہے اور کام کا معاوضہ نظام خود مقرر کرتا ہے۔

۳۔ رزق کے سرچشمے نظام کی ملکیت میں رہتے ہیں اور نظام ہی طے کرتا ہے کہ پیداوار کا حصہ کس کو کتنا دیا جائے۔

۴۔ نظام روٹی، کپڑا اور مکان کی ذمہ داری تو لیتا ہے لیکن مضمر صلاحیتوں کی پوری پوری نشوونما سے اسے سروکار نہیں ہوتا۔ فردِ معاشرہ کے لئے زندہ رہتا ہے۔

۵۔ نوعِ انسانی طبقات میں بٹی ہوئی ہے۔

۶۔ بحیثیت انسان ہونے کے عزت و تکریم کا تخیل مفقود ہے۔ صرف کام کرنے کی صلاحیت کو اہمیت ہے۔

۷۔ حاکم اور محکوم کا تصور قائم ہے۔ استبداد کے ڈر سے فرد دم نہیں مار سکتا۔

۸۔ بھوکوں اور ننگوں کو دعوت دیتا ہے کہ مال داروں کو لوٹ لو۔

۹۔ زندگی کو صرف حیوانی سطح تک محدود سمجھتا ہے۔ جس میں کھانے پینے اور افزائشِ نسل سے زیادہ کوئی مقصد نہیں ہوتا، انسانی ذات، حیاتِ مستقبل اور مستقل اقدار کا تصور ہی نہیں ہوتا۔

قرآنی نظام ربوبیت

۱۔ ہر شخص اپنا بوجھ بطیب خاطر خود اٹھائے گا۔ یعنی بجز ان لوگوں کے جو کسی وجہ سے کام کرنے سے معذور ہو گئے ہوں۔ ہر شخص تعمیری کام کرے گا۔ جو شخص بلا عذر کام نہیں کرے گا۔ اس کا معاشرہ کے ثمرہ میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

۲۔ ہر قابلیت کا شخص پوری پوری محنت کرے گا لیکن اس کے ماحصل میں سے صرف اتنا لے گا، جتنا اس کی ضروریات کے لئے کافی ہو۔ سب نوعِ انسانی کی ربوبیت کے لئے کھلا رہے گا۔ دولت کا جمع کرنا سنگین جرم ہوگا۔

۳۔ رزق کے سرچشمے کسی کی انفرادی ملکیت میں نہیں رہیں گے بلکہ معاشرہ کی تحویل میں رہ کر ضرورت مندوں کے لئے یکساں طور پر کھلے رہیں گے۔

۴۔ ہر فرد معاشرہ اور اس کی اولاد کے لئے روٹی، کپڑا اور مکان کے علاوہ مضمر صلاحیتوں کی نشوونما کے جملہ سامانِ پرورش بہم پہنچانے کی ذمہ داری نظام پر ہوگی۔ معاشرہ فرد کی تکمیل ذات کے لئے ہوگا۔ فرد معاشرہ کی قربان گاہ پر ذبح ہونے کے لئے نہیں ہوگا۔ موجودہ زندگی کی خوشگواریوں کے ساتھ مستقبل کی زندگی کی شادابیاں بھی حاصل ہوں گی۔

۵۔ پوری نوعِ انسانی ایک عالمگیر برادری بن جائے گی اور پوری انسانیت کی منفعت اس کے پیشِ نظر ہوگی۔

۶۔ ہر انسان، صرف انسان ہونے کی جہت سے قابلِ عزت و تکریم ہوگا جو اپنی ذمہ داریوں کو بہتر طریق پر پورا کرے گا، وہی زیادہ عزت کا مستحق ہوگا۔

۷۔ زندگی کے لئے اصولی قوانین خدا کے متعین کردہ ہوں گے اور کسی انسان کو یہ حق نہیں ہوگا کہ دوسرے انسان سے اپنا حکم منوائے۔ جو گروہ اصولی قوانین کی جزئیات مشورہ سے مرتب اور نافذ کرے گا، وہ خود بھی ان احکام کی اطاعت کرے گا۔

۸۔ ہر شخص کو دعوت دیتا ہے کہ اپنا فالتو روپیہ دوسروں کی ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے اور ان کی مضمر صلاحیتوں کے نشوونما کے لئے دے ڈالو۔

قرآنی نظامِ ربوبیت کی تجدید کے لئے

۱۔ اگر آپ کسی تعمیری کام میں حصہ نہیں لے رہے ہیں تو اس میں ضرور حصہ لیجئے۔

۲۔ اپنے موجودہ ذریعۂ معاش پر غور کیجئے کہ وہ دیگر انسانوں کے لئے مفید ہے یا مضر۔ اگر مفید ہے، تو اسے جاری رکھئے اور پورے انہماک اور ہمت سے اس میں لگے رہیئے لیکن اگر وہ مضر ہے تو اسے ترک کر دیجئے یا ترک کرنے کی کوشش فوراً شروع کر دیجئے۔

۳۔ اپنی کمائی میں سے ضروریاتِ زندگی کو کفائت شعاری سے پورا کیجئے، اور جو باقی بچے، اسے دوسروں کی ضروریات کے پورا کرنے کے لئے کھلا رکھئے۔ اس عمل سے آپ کی ذات میں استحکام پیدا ہوگا۔

۴۔ دوسروں کی ضروریات پوری کرنے میں تھوڑے اور بہت کا خیال نہ کیجئے۔

۵۔ اس طریقِ اعانت میں ساتھی تلاش کیجئے اور ان کے مشورہ سے اس طریقِ کار کو وسعت دیجئے اور سابقون الاوّلون میں شمولیت کا اعزاز حاصل کیجئے۔

۶۔ اس نظام کی بنیاد فکری تبدیلی پر ہے۔ اس لئے اس نظام کو قرآنِ کریم کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کیجئے

(پرویز صاحب کی کتاب نظامِ ربوبیت سے مستنبط)

(٥)

اسلام کا نظامِ معاشرت کیا ہے؟
اور وہ کیسے متشکل ہو سکتا ہے؟
اس کا جواب
نظامِ ربوبیّت میں ملاحظہ کیجئے۔

معاملہ کی ضروری باتیں

- طلوعِ اسلام آپ کا اپنا ادارہ ہے اس لئے اس سے اسی طرح کا برتاؤ کیجئے جس طرح اپنوں سے برتاؤ کیا جاتا ہے۔ یہ بھی آپ سے ایسا ہی برتاؤ کریگا۔
- حساب میں بعض اوقات غلطی ہو سکتی ہے۔ ایسی غلطی باہمی افہام و تفہیم سے صاف کر لیجئے۔
- رسالہ کے انتظامی معاملات کے متعلق الگ خط لکھئے، کتابوں کے لئے الگ۔
- مضامین کے متعلق مدیر کے نام علیحدہ خط لکھئے۔ نیز استفسارات مدیر کے نام الگ بھیجئے۔
- پتہ کی تبدیلی سے کم از کم دو ہفتہ پہلے اطلاع دیجئے۔
- پرچہ نہ ملنے کی اطلاع تاریخِ اشاعت کے ایک ہفتہ کے اندر دیجئے۔ بعد میں رسالہ قیمتاً بھیجا جائیگا۔

(ناظم ادارہ طلوعِ اسلام)

قندِ مکرّر

جمیلہ خاتون
بہار (انڈیا)

عورت کا قرآن

قرآنِ کریم پوری نوعِ انسانی کے لئے ضابطۂ ہدایت ہے اور چونکہ نوعِ انسانی میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔ اس لئے اس کی راہ نمائی ان دونوں کے لئے ہے۔ اس راہ نمائی میں بیشتر امور تو ایسے ہیں جو مرد اور عورت دونوں سے یکساں طور پر متعلق ہیں لیکن بعض امور ایسے بھی ہیں جو صرف مَردوں سے متعلق ہیں اور بعض ایسے جن کا تعلق صرف عورتوں سے ہے۔ یہ امور جو خصوصیت سے عورتوں سے متعلق ہیں قرآن کی مختلف آیات میں بکھرے پڑے ہیں۔ محترمہ جمیلہ خاتون نے (جنہیں طلوعِ اسلام سے دیرینہ اور گہری دلچسپی ہے) عورتوں سے متعلق قرآنی تعلیم کو ایک کتابی شکل میں یکجا اور مربوط کر دیا ہے اور اپنی اس کتاب کا نام رکھا ہے "عورت کا قرآن"۔ مطلب اس سے یہ ہے کہ جب ایک عورت قرآن کریم کا مطالعہ کرتی ہے تو وہ اس میں اپنے متعلق کیا کچھ لکھا پاتی ہے چونکہ طلوعِ اسلام کے حلقہ میں خواتین کی تعداد کچھ کم نہیں اور قرآنی فکر کی نشر و اشاعت میں ان کی دلچسپی بھی بڑی گہری ہے، اس لئے ان کا ایک عرصہ سے تقاضا تھا کہ طلوعِ اسلام میں ایک مستقل عنوان "عورتوں" سے بھی متعلق ہونا چاہیئے۔ اس کے لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ قرآنِ کریم نے جو کچھ عورتوں کے متعلق کہا ہے اسے ایک عورت ہی کی زبان سے پیش کیا جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے ہم نے محترمہ جمیلہ خاتون کی مذکورہ صدر کتاب کا انتخاب کیا ہے۔ یہ سلسلہ طلوعِ اسلام کے صفحات پر بار بار پیش کیا جا رہا ہے۔ سب سے پہلے کتاب کا "پیش لفظ" درج کیا جاتا ہے۔ (طلوعِ اسلام)

پیش لفظ

فریادِ حافظ ایں ہمہ آخر زہرزہ نیست
ہم قصۂ عجیب و حدیثے غریب است

اللہ جانے اس کرۂ ارض پر "اشرف المخلوقات" کی آبادی کی ابتدا کب سے ہوئی؟ جب سے بھی ہوئی، جب ہی "عورت" پر قہر ٹوٹنا شروع ہوا۔ صدیوں پر صدیاں گزرتی رہیں مگر "عورت" بدستور پامال و خستہ حال رہی، ہمیشہ محزون و ملول رہی۔ پیغمبر پر پیغمبر آتے رہے، ہر اُمت میں آتے رہے، ہر مقام پر آتے رہے۔

(۱) وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا۔ (نحل ۵)

اور ہم ہر اُمت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر بھیجتے رہے ہیں۔

(۲) ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ط ..... فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا۔ (مومنون ۳)

پھر ہم نے اپنے پیغمبروں کو یکے بعد دیگرے بھیجا .... سو ہم نے ایک کے بعد ایک کا نمبر لگا دیا۔

(۳) وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ۔ (فاطر ۳)

اور کوئی بھی امت ایسی نہیں ہوئی ہے۔ جس میں کوئی نہ کوئی (بد عملی کے نتائج سے) ڈرانے والا نہ گذرا ہو۔

(۴) وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمْ۔ (ابراہیم ۱)

اور ہم نے تمام پیغمبروں کو ان ہی کی قوم کی زبان میں پیغمبر بنا کے بھیجا تاکہ وہ ٹھکانے سے ان سے گفتگو کر سکیں۔

اور ہر پیغمبر ایک خاص شریعت اور احکام لے لے کر آتے رہے:

(۱) لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ط (مائدہ ۷)

تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے خاص شریعت اور خاص منہاج تجویز کی تھی۔

(۲) لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ۔ (رعد ۶)

ہر زمانے کے مطابق خاص خاص احکام ہوتے ہیں۔

مگر نہ تو حضرت نوحؑ کی صدیوں کی تبلیغ نے "عورت" کو کوئی زندگی بخشی اور نہ حضرت ہودؑ و صالحؑ کی جاں کاہیوں نے اُسے راحت بخشی، نہ حضرت ابراہیمؑ کی شریعت نے "عورت" کو قابلِ اعتنا سمجھا اور نہ حضرت اسماعیلؑ کی سیادت نے اُسے سکون عطا کیا، نہ حضرت موسےٰؑ کی جلالت "عورت" کو مصیبت سے چھڑا سکی، اور نہ حضرت عیسیٰؑ کی حذاقت نے اس کے درد کی دوا کی[1] اور نہ حضرت سلیمانؑ کی سطوت نے اس کی نزاکت پر ترس کھایا، نہ حضرت ذکریاؑ کی موعظت "عورت" کو پناہ دلا سکی۔ نہ کرشن جی کا نغمہ "عورت" کا غم بھلا سکا، نہ کنفیوشس کی عظمت اس کے آڑے آئی۔ "عورت" جانکنی کے جس عالم میں چلی آتی تھی، بدستور رہی۔ اس پر ستم کے پہاڑ جس طرح ٹوٹتے تھے، ویسے ہی ہمیشہ ٹوٹتے رہے۔ "کتاب" پر "کتاب" اترتی رہی۔ ہر زبان میں اُترتی رہی۔ ہر پیغمبر کے ساتھ اترتی رہی:۔

(۱) فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ۔ (بقرہ ۲۶)

پھر اللہ تعالےٰ نے نبیوں کو بھیجا جو ایمان و عمل کے اجر کی خوشخبری سناتے اور کفر و بدعملی کی سزا سے ڈراتے تھے اور ان نبیوں کے ساتھ کتابیں بھی سچائی کے ساتھ نازل کیں۔

(۲) لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔ (حدید ۳)

بلاشبہ ہم نے اپنے رسولوں کو کھُلے کھُلے احکام دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتابیں نازل کیں اور انصاف کی ترازو بھی تاکہ وہ لوگ اعتدال پر قائم ہوں۔

مگر یہودیت کے صحائف (توراۃ) ہوں یا عیسائیت کی (اناجیل)، زرتشت کی "اوستا" اور "دساتیر" ہوں، یا ہندومت کی "گیتا" "رامائن" "وید" "شاستر" اور "پران"، بدھ مت کی "ستہ" "وینایا" اور "ابھے دھما" ہوں یا جین مت کی "پرو" اور "انگ"، چینیوں کے کنفیوشس ازم کی "شوکنگ" "شیہ کنگ" "ای" "لیکی" "کھونکیو" اور "ہیاس کنگ" ہوں، یا جاپانیوں کے "شنٹوازم" کی "کوجی کی" اور "نیہونگی"۔ عورت

---

[1] یعنی ان انبیائے کرامؑ کی طرف منسوب کردہ کتابیں جو اس وقت ہمارے پاس ہیں ان میں عورت کے دکھوں کا کوئی مداوا نہیں ملتا۔ ان کی اصلی تعلیم میں تو یہ مداوا ضرور موجود ہوگا۔

کے لئے کوئی کتاب بھی سینہ سپر نہ ہو سکی۔ اس کو کسی صحیفے نے بھی سہارا نہ دیا، تا آنکہ مکہ کی مقدس سرزمین پر، قبیلہ بنی زہرہ کی ایک دردمند عورت کے منور آغوش کو اُنس پیکرِ نور نے زینت بخشی، جسے دنیا کا سب سے بڑا انسان، اخلاق کا سب سے اعلیٰ نمونہ، مظلوموں کا سب سے بڑا فریادرس، بیکسوں کا سب سے بڑا سہارا، غلاموں کا سب سے بڑا حامی اور یتیموں کا سب سے بڑا والی کہا جا سکتا اور کہا جاتا ہے اور جس پر "دین اسلام" کے دستور العمل "قرآن مجید" نے نزول اجلال فرمایا۔ "عورت" کے درد کا سب سے پہلا اور آخری نسخہ ہے:۔

(۱) لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ (توبہ ۱۶)

تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری ہی جنس سے ہیں۔ جن پر تمہارے نقصان کی بات بیحد گراں گزرتی ہے جو تمہارے فائدہ کے بڑے ہی خواہشمند رہتے ہیں اور مومنوں کے لئے تو بڑے ہی شفیق و مہربان ہیں۔

قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ۔ (یونس)

تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو سراسر نصیحت ہے اور اندرونی امراض کے لئے شفا ہے۔

بجز "دین اسلام" کی کتاب "قرآن مجید" کے سارے مذاہب عالم میں کوئی دوسری کتاب ایسی نہیں ہے جس میں "عورت" کی کمزوری، بے بسی، بدحالی اور کس مپرسی کا کچھ بھی پاس اور لحاظ کر کے اس کے کچھ حقوق متعین کئے ہوں یا کم از کم اُسے "انسان" ہی سمجھنے کی کوشش کی گئی ہو۔ "قرآن مجید" تنہا کتاب الٰہی ہے جس میں "عورت" کو بھی برابر کا "انسان" سمجھا اور تسلیم کیا گیا ہے اور اس کے حقوق بھی مقرر کئے گئے ہیں مگر کتاب ضخیم ہے، اور اس میں کسی نسوانی مسئلہ کے تلاش کرنے یا اس کے احاطہ کے لئے محنت درکار ہے۔ اس پر مزید یہ کہ "مسلمان عورت" تعلیم سے بے بہرہ ہے اور کتاب "عربی" زبان میں ہے۔ لہٰذا "مسلمان عورت" قرآنی تعلیمات سے بے خبر اور احکامِ الٰہی کو قرار واقعی جاننے سے قاصر و معذور ہے۔ (جاری ہے)

رسول اللہ نے فرمایا — میرے ورثاء میں ایک دینار بھی بطور ترکہ تقسیم نہ ہوگا۔ میری بیویوں کی ضروریات اور منتظم کی خوراک کے بعد جو کچھ بھی بچے وہ صدقہ ہوگا (بخاری جلد ۴، کتاب الفرائض)

بشیر احمد عابد
(ریاض)
سعودی عرب

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (۲۰/۱۴)

"اور میرے ذکر کے لئے صلوٰۃ قائم کرو" یہ اس آیہ کریمہ کا مروّجہ ترجمہ ہے۔ صلوٰۃ سے مراد نماز اور ذکر سے مراد اللہ تعالےٰ کی حمد و ثناء بیان کیا جاتا ہے۔ اس کی فضیلت قرآن کریم کی اس آیت سے بھی اجاگر کی جاتی ہے۔ جس میں کہا گیا ہے: وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (۵۱/۵۶) "ہم نے جن و انس کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا ہے"۔ اس وقت امّت کی اکثریت اسی عبادت میں مشغول ہے۔ کچھ باعمل اور کچھ بے عمل، تاہم جہاں تک عقیدے کا تعلق ہے، عبادت کے اس طریق پر سب ہی متفق ہیں۔

قارئین کرام! اگر آپ بھی سمجھتے ہیں کہ خدا کی عبادت کا یہی طریق ہے اور جس صلوٰۃ اور ذکر کا حکم قرآن کریم میں آیا ہے اس سے فقط اتنی ہی مراد ہے کہ مسجد میں یا تنہا کھڑے ہو کر کچھ حرکات اور کچھ الفاظ ایسے کہ جن کا نہ معنی اور نہ مفہوم سمجھ میں آئے، ادا کر دیئے جائیں۔ تو پھر آپ سے نہایت مؤدبانہ گزارش ہے کہ زیر نظر مضمون کو مزید نہ پڑھیئے۔ یہاں رُک جائیے! اس لئے کہ اس سے آگے آپ کے مطلب کی کوئی چیز نہیں۔ نماز کو تو آپ اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ کیونکہ بچپن میں سات سال تک اگر کوئی سمجھ نہ پائے تو علمائے کرام نے ان کے لئے ڈنڈا تجویز کیا ہوا ہے۔ آپ کی دلچسپی زیادہ سے زیادہ ذکر اذکار میں ہوگی، وہ آپ کو یہاں نہیں ملیں گے۔ ان کے لئے یوں تو کافی ذرائع ہیں، لیکن آج کل ہمارے ہاں ایک ڈاکٹر پروفیسر صاحب خصوصیت سے اقبالؒ کے اس شعر کی زندہ تصویر بنے ہوتے ہیں ؎

مست رکھو ذکر و فکرِ صبحگاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے

آپ ان کا اتہ پتہ معلوم کریں!

ہاں! البتہ آپ اگر موجودہ صلوٰۃ و اذکار سے مطمئن نہ ہوں اور آپ کو یہ خیال بے چین کر رہا ہو کہ اگر صلوٰۃ اسی طرح کی پرستش اور عبادت کا نام ہے تو پھر جب انبیاء کرام اس کے قیام کا اعلان کرتے تھے تو ان کی اس قدر شدید مخالفت کیوں کی جاتی تھی؟ لوگ ان پر پتھراؤ کرتے، ان کا معاشرتی بائیکاٹ ہو جاتا، آگ میں جھونک دینے کی دھمکیاں دی جاتیں۔ حتیٰ کہ ان کی صلوٰۃ کو روکنے کے لئے میدانِ جنگ میں کود پڑتے! کیا تھی وہ صلوٰۃ؟ آج تو ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی۔ بلکہ اس کے برعکس صورتِ حال یہ ہے کہ خواہ ہندو کی

آغوش ہو یا ہیکل کا سائبان! ٹوکیو کی کوئی جامع مسجد ہو یا لندن، نیویارک کا اسلامک سنٹر! جیسے دل نے چاہا کرلاک سے اذان دی اور آرام سے صلوٰۃ قائم کرلی۔ کسی کان پر جوں تک نہیں رینگتی! مسلم تو مسلم خود غیر مسلم بھی اس مقدس فریضہ کی ادائیگی میں مسلمانوں کا ہاتھ بٹاتے رہتے ہیں۔ بعینہٖ اسی طرح جس طرح کہ آجکل یہود ونصاریٰ دونوں مل کر جہاد کے مقدس فریضہ کی ادائیگی میں افغان مجاہدین کا ہاتھ بٹا رہے ہیں!

کیا یہ وہی صلوٰۃ ہے جسے انبیاء کرام قائم کرتے تھے؟ اس کا دوٹوک جواب تو یہ ہے کہ نہیں۔ یہ وہ صلوٰۃ نہیں ہے۔ لیکن یہ "نہیں"، ذرا تفصیل طلب ہے۔ اسے سمجھنے کے لئے آپ کو موجودہ سطح دین سے تھوڑا بلند ہونا پڑے گا۔ فقہ و روایات کی خاردار پگڈنڈیوں سے نکل کر قرآن کی کہکشاں پر چلنا ہوگا۔ اور پھر یوں آپ کو خدا کی فرمودہ صلوٰۃ کے اصول و قوانین اور اسے قائم کرنے کے طور و طریقے ستاروں کی مانند چمکتے نظر آئیں گے۔ اگر آپ میں یہ ہمت نہیں۔ اسلاف کے طوق وسلاسل کو آپ نے بھی گلاب اور موتیے کی مالا سمجھ رکھا ہے، تو پھر لگے رہیئے! خدا کے احکام کے ساتھ یہ ایک کھلا مذاق ہے۔ اور جو خدا کے احکام کے ساتھ مذاق کرتے ہیں تو پھر خدا بھی ان کے ساتھ ویسا ہی مذاق کرتا ہے۔ خدا کا استہزاء یہ ہے کہ ۔ یمدھم فی طغیانھم یعمھون (۲/۱۵)۔ وہ اپنے ہی جذبات کے طوفانوں میں غوطے کھاتے رہتے ہیں، اور ہاتھ پلے کچھ نہیں پڑتا۔ برسوں مصروف رہیں گے۔ رات دن دماغ سوزی کرتے رہیں گے۔ صفحوں پر صفحے سیاہ کر دیں گے اور مسئلہ کیا ہوگا؟ رکوع سے اٹھنے کے بعد ہاتھ کہاں باندھنے چاہئیں؟ ایسی قوم کے ساتھ یہ ہوتا ہے، خدا کا استہزاء! اور مزے کی بات یہ ہے کہ اس کے باوجود مسئلہ حل نہیں کر پائیں گے۔ حل کر بھی کیسے سکتے ہیں جبکہ خدا نے انہیں چیلنج دے رکھا ہو۔ و اللہ لا یھدی القوم الفٰسقین (۵/۱۰۸) "جو قوم ہمارے قوانین کے قالب سے نکل جائے وہ کبھی ہدایت نہیں پا سکتی"۔

خدا کی تجویز کردہ صلوٰۃ کیا ہے؟ آیئے دیکھتے ہیں، قرآن کریم ہمیں کیا راہنمائی دیتا ہے؟ اقامتِ صلوٰۃ کا حکم قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر آیا ہے۔ ہر مقام پر اس کے کسی نہ کسی پہلو کی وضاحت کی گئی ہے۔ ان سب مقامات کو یکجا کرنے سے جو مفہوم سامنے آتا ہے، وہ صلوٰۃ کی مروّجہ ترتیب و ترکیب سمیت انسانی فلاح وبہبود کے جملہ پہلوؤں کو محیط ہے۔ مضمون ہذا میں، ان تمام مقامات کا احاطہ کرنا تو شاید ممکن نہ ہو تاہم کوشش کروں گا کہ صلوٰۃ کے مروّجہ مفہوم اور قرآن کریم کے بیان کردہ مفہوم میں جو بنیادی فرق ہے وہ واضح ہو جائے۔ جن حضرات کو اس حکم کے معانی و مفاہیم کی مزید تفصیلات سے دلچسپی ہو وہ محترم پرویزؒ صاحب کی کتب، بالخصوص لغات القرآن اور مطالب القرقان کا بغور مطالعہ کریں۔ وہاں آپؒ نے اس موضوع پر نہایت مفصل اور خوبصورت علمی بحث کی ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں بھی اکثر اقتباسات انہی کتب سے ماخوذ ہیں۔

ضمناً عرض کرتا چلوں کہ جب بھی ہم وابستگانِ فکرِ قرآنی، قرآن کریم کے احکام کا وسعتِ نظر سے جائزہ لیتے ہیں تو ہماری تنگ نظر مذہبی پیشوائیت پر یہ اکثر گراں گزرتا ہے۔ اس ضمن میں انہیں شکایت یہ ہوتی ہے کہ پرویزؒ اور پرویزؒ کے شاگرد قرآن کریم کی من مانی تاویلیں پیش کرتے ہیں۔ اور اس شکایت سے یہ تأثر پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جیسے ہم امّتِ مسلمہ کے خلاف کسی انتہائی خطرناک اور گہری سازش میں ملوّث ہیں۔ امّتِ مسلمہ (ان کے خیال کے مطابق) اس وقت جس وحدت، اخوّت، محبّت، خوشحالی اور امن و سلامتی کا گہوارہ بنی ہوئی ہے۔ ہم (وابستگانِ فکرِ قرآنی) سے دیکھا نہیں جاتا اور ہماری من مانی تاویلوں اور تفسیروں کا مقصد یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کی یہ جنّت ان سے چھن جائے! ان کے اس رویے میں ہمارے لئے تعجّب کی کوئی بات نہیں۔ کیوں کہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ جب کبھی بھی کوئی گھٹا ٹوپ اندھیرے سے اچانک روشنی میں آتا ہے تو کچھ لمحے کے لئے اسے اردگرد کی اشیاء صحیح طریقے سے دکھائی نہیں دیتیں۔ ہماری مذہبی پیشوائیت سے تعلق رکھنے والے اکثر حضرات کی پرورش و تربیت، بچپن سے ہی ایسے ماحول میں ہوتی ہے کہ یہ بے چارے اپنے اردگرد کے واقعات و حالات کا وسعتِ نظر سے جائزہ لینے کے قابل ہی نہیں ہوتے۔ ان کی یہ خامی قابلِ فہم ہے۔ لیکن یہ جب اپنی اس خامی کو مذہب کی مقدس چادر میں لپیٹ کر سامنے لاتے ہیں، تو خود تو فریب زدہ ہوتے ہی ہیں، اپنے ساتھ لاکھوں دیگر افراد کو بھی دھوکے میں ڈال دیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان کا یہ رویّہ نامناسب ہے، اس لئے جب ہم ان کی اس مقدّس چادر کو اتار کر سامنے لاتے ہیں تو اس سے ہمارا مقصد ان کی تذلیل یا انہیں ننگا کرنا نہیں ہوتا بلکہ ان لاکھوں افراد کو ان کی دھوکا دہی سے بچانا ہوتا ہے جو اگر ان کے چنگل میں نہ پھنستے تو ملّت کا نہایت قیمتی سرمایہ ہوتے۔

صلوٰۃ کے ضمن میں ان حضرات نے قوم کو جس دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ وہ تو قرآن کریم کی آیات سامنے آجانے سے واضح ہو جائے گا۔ لیکن جیسا کہ عرض کیا ہے، اس کے باوجود آیات کے مفہوم کی صحت کے بارے میں کھٹک باقی رہتی ہے۔ اس کا مکمل علاج تو وسعتِ مطالعہ ہے۔ بالخصوص قرآن کریم کا مطالعہ۔ تاہم اگر لفظ "صلوٰۃ" کے بنیادی معنی اور قرآنِ کریم کی مجموعی تعلیم سامنے ہو تو بھی ان شکوک و شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

صلوٰۃ کا مادہ (ص۔ل۔و) ہے جس کے بنیادی معنی ہیں۔ کسی کے پیچھے پیچھے چلنا۔ عربی زبان کی مشہور لغت تاج العروس میں ہے کہ صَلِیَ و اصطلیٰ کے معنی لزوم یعنی وابستگی کے ہیں۔ یعنی کسی کے ساتھ لگے رہنا اور چمٹے رہنا۔ اسی بنا پر امام راغب اصفہانیؒ نے کہا ہے کہ قرآنِ کریم میں جو ہے۔ لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ (۷۴/۴۳) "ہم مصلّین میں سے نہیں تھے" تو اس کے معنی یہ ہیں کہ "ہم انبیاء کے پیچھے پیچھے چلنے والوں میں سے نہیں تھے" قرطبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس جہت سے صلوٰۃ کے معنی ہوں گے

احکامِ الٰہی سے وابستگی، حدود اللہ کے اندر رہنا اور کتاب اللہ سے چمٹے رہنا۔ صَلَّیَ الْفَرَسُ تَصْلِیَۃً اس وقت کہتے ہیں جب گھوڑ دوڑ میں، دوسرے نمبر کا گھوڑا، پہلے نمبر کے گھوڑے کے پیچھے پیچھے اس طرح دوڑ رہا ہو کہ پچھلے کی کنوتیاں، پہلے کے سرین سے مل رہی ہوں۔ اس گھوڑے کو جو آگے جا رہا ہو، سابق کہتے ہیں اور دوسرے نمبر والے گھوڑے کو "اَلْمُصَلِّیْ"۔ اس سے صَلّٰی کے معنی ہوئے پیچھے پیچھے آنا اور تصلیۃ۔ اگلے کے پیچھے اس طرح چلنا کہ ان دونوں میں فاصلہ نہ ہو۔ لیکن پیچھے چلنے والا آگے جانے والے سے آگے نہ بڑھے بلکہ وابستگی سے اس کا اتباع کرے۔

ان تصریحات سے لفظ صلوٰۃ کا بنیادی مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ اب اگر اس مفہوم کو قرآن کریم کی مجموعی تعلیم کی روشنی میں دیکھا جائے تو اس میں نہ صرف وسعت پیدا ہو جاتی ہے بلکہ اقامتِ صلوٰۃ کے ضمن میں منشائے خداوندی نکھر کر سامنے آجاتا ہے، اور کسی قسم کی الجھن باقی نہیں رہتی۔ قرآن کریم کی سب سے پہلی سورت میں ہمیں جو دعا سکھائی گئی ہے۔ (یعنی جس نصب العین کے حصول کو ہمارے لئے مقصدِ زندگی تجویز کیا گیا ہے) وہ ہے اِہْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ (۱/۵) یعنی ایسے توازن بدوش راستے کی طرف راہنمائی کی تمنا جو ہمیں انسانیت کی منزل مقصود تک لے جائے۔ اور سورۂ ہود میں:

اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (۱۱/۵۶)

"میرا رب صراطِ مستقیم پر ہے"۔

یعنی جس صراطِ مستقیم پر چلنے کے لئے مومنین سے کہا گیا ہے وہ وہی راستہ ہے جس پر خدا کائنات کو چلا رہا ہے۔ خدا اور بندے کا ایک ہی صراطِ مستقیم پر چلنا۔ ظاہر ہے کہ خدا آگے ہوگا اور بندہ اس کے پیچھے پیچھے۔ "اَلْمُصَلِّیْ" خدا اور بندے کے اس تعلق کی مزید وضاحت، خدا کے صحیح تصور سے ہوتی ہے۔ خدا اس ذات کا نام ہے جو بلند ترین، مکمل ترین، مستحکم ترین اور حسین ترین ہے۔ اس نے انسان کو بھی ذات عطا کی ہے اور اسے "روحنا" کہہ کر پکارا ہے۔ یہ ذات، ذاتِ خداوندی کے مقابلے میں محدود اور پست درجہ کی ہے۔ اسے اپنی نشوونما کے لئے ذاتِ خداوندی کو اپنے سامنے بطور نصب العین رکھنا ہوتا ہے ہم خدا کی ذات کے متعلق کچھ نہیں سمجھ سکتے۔ البتہ اس نے اپنی جو صفات قرآن کریم میں بیان کی ہیں، ان صفات کا اپنے اندر اجاگر کرتے جانا انسانی ذات کی نشوونما کا موجب بنتا ہے۔ قرآن کریم نے صفاتِ خداوندی کو "الاسماء الحسنٰی" سے تعبیر کیا ہے۔ انسان کا فریضہ یہ ہے کہ ان صفات خداوندی کو (علیٰ حدِّ بشریت) اپنی ذات کے اندر منعکس کرے اسی کو ایک دوسرے مقام پر "اللہ کے رنگ میں رنگے جانا" کہا گیا ہے (۲/۱۳۸) بہرکیف، انسان کو خدا کی صراطِ مستقیم پر چلنا ہو یا ذات کی نشوونما مقصود ہو یا خدا کے رنگ میں رنگے جانا۔ یہ سب کچھ صرف اور صرف

کتاب اللہ کے ساتھ وابستہ رہنے سے ہو سکتا ہے۔ اسی لئے کہا: اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ۔ تمہاری اور میری، سب انسانوں کی، نشوونما کا ذمہ دار خدا ہے۔ اس لئے فَاعْبُدُوْہُ محکومیت صرف اسی کی اختیار کی جا سکتی ہے۔ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ (۳/۵۱) یہ ہے وہ سیدھی اور متوازن راہ جو تمہیں منزلِ مقصود تک پہنچا دے گی۔

خدا کی محکومیت سے مراد خدا کے قوانین کی محکومیت ہے۔ اب صلوٰۃ کے بنیادی مفہوم (کسی کے پیچھے پیچھے چلنا) اور قرآن کریم کی مجموعی تعلیم (خدا کے قوانین کی حکمرانی) کو ساتھ رکھ کر سمجھا جائے تو اس سے مراد ہوگی قوانین خداوندی کا اتباع کرنا۔ اسے قرآن کریم نے "اقامتِ صلوٰۃ" کی جامع اصطلاح سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی ایسا نظام قائم کرنا جس میں اطاعت صرف خدا کے قانون کی ہو۔

صلوٰۃ کے اس مفہوم کی تائید عنوانِ زیرِ نظر میں دی گئی آیۂ کریمہ سے بھی ہوتی ہے۔ اقم الصلوٰۃ لذکری اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کو اپنا "ذکر" بھی کہا ہے:

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحٰفظون (۱۵/۹)

"بے شک یہ ذکر ہم نے نازل کیا اور اس کی حفاظت کرنا بھی ہمارے ذمہ ہے۔"

ہم جانتے ہیں کہ قرآن کریم قوانینِ خداوندی کا مجموعہ ہے۔ اب اگر یوں کہا جائے کہ قوانینِ خداوندی کے لئے صلوٰۃ قائم کرو تو اس کا یہ مفہوم قطعی نہیں ہوگا کہ اُٹھ کر نماز "نیت" لی جائے کیونکہ قوانین کو قائم کرنے کے لئے ایک نظام کی ضرورت ہوتی ہے۔

نظام کا قیام انفرادی طور پر ممکن نہیں ہوتا۔ یہ اجتماعی کوششوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اسی لئے قرآنِ کریم نے اقامتِ صلوٰۃ کے ضمن میں جمع کے صیغے استعمال کئے ہیں (وارکعوا مع الرٰکعین) اور جماعتِ مومنین کے لئے اس فریضہ کو مملکت کے قیام کے ساتھ مشروط قرار دیا ہے:

الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر۔ (۲۲/۴۱)

"یہ وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں زمین میں اقتدار حاصل ہوگا تو یہ اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کریں گے۔ معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے روکیں گے۔"

ایک دوسرے مقام پر اقامتِ صلوٰۃ اور امورِ مملکت کے لئے باہمی مشاورت کا اکٹھا ذکر کیا گیا ہے۔

اقاموا الصلوٰۃ وامرھم شوریٰ بینھم (۴۲/۳۸)

"وہ اقامتِ صلوٰۃ کرتے ہیں اور ان کے معاملات باہمی مشاورت سے طے پاتے ہیں۔"

اور چونکہ جماعتِ مومنین کی زندگی کے تمام امور قوانینِ خداوندی (کتاب اللہ) کے مطابق سرانجام پاتے ہیں، اس لئے سورہ اعراف میں "تمسک بالکتاب" اور "اقامتِ صلوٰۃ" کو ساتھ رکھا گیا ہے۔ (۱۷۰/۷) زندگی کے ہر موڑ پر قوانینِ خداوندی کے تابع چلنے سے انسان ہر طرح کی فحشاء اور منکرات سے بچ جاتا ہے، اس لئے صلوٰۃ کی غرض و غائت ہی یہ بتائی کہ

انّ الصّلوٰۃ تنھٰی عن الفحشاء والمنکر (۴۵/۲۹)

انسان جب ایک نظام کے تحت زندگی بسر کرتا ہے تو اس پر کچھ فرائض منصبی عاید ہوتے ہیں۔ ان فرائض منصبی کا ادا کرتے رہنا صحیح راستے پر چلنا کہلاتا ہے۔ قرآن کریم میں "صَلّٰی" کے مقابلے میں "تولّٰی" کا لفظ بھی آیا ہے (۳۱-۳۲/۷۵) تولّٰی کے معنی ہوتے ہیں۔ صحیح راستے سے روگردانی کرنا۔ اس لئے "صلّٰی" کے معنی ہونگے قوانینِ خداوندی کے مطابق صحیح راستے پر چلنا، اور نظامِ خداوندی کے عائدکردہ فرائض منصبی ادا کرتے جانا۔ اس لئے سورہ علق میں جو ہے۔ اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی ۙ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی (۹-۱۰/۹۶) تو اس کا مفہوم ہوگا کہ جب خدا کا بندہ اپنے فرائض منصبی کو ادا کرنا چاہتا ہے، تو یہ (مخالف) اس کے راستے میں رکاوٹیں ڈالتا ہے۔

ان فرائض منصبی کا دائرہ بہت وسیع ہے اور زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کو یہ محیط نہ ہو۔ چنانچہ سورۂ ہود میں ہے کہ حضرت شعیبؑ سے ان کی قوم نے کہا:۔

یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ اَنْ نَّتْرُکَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا

مَا نَشٰٓؤُا ؕ (۸۷/۱۱)

اے شعیبؑ کیا تیری صلوٰۃ تجھے یہ حکم دیتی ہے کہ ہم اسے چھوڑ دیں جس کی عبادت ہمارے باپ دادا اختیار کئے چلے آ رہے ہیں۔ یا یہ کہ ہم اپنے مال و دولت کو بھی اپنی مرضی کے مطابق خرچ نہ کریں؟ یعنی ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ یہ کیسی صلوٰۃ ہے جو معاشیات تک کو بھی اپنے دائرے کے اندر لے لیتی ہے۔ اس سے بھی صلوٰۃ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی زندگی کے ہر شعبے میں، قوانینِ خداوندی کے مطابق عمل کرنے کا نام صلوٰۃ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ (اس اجمال کی تفصیل خواہ کتنی طویل کیوں نہ ہو) بات سمٹ سمٹا کر یہاں آجاتی ہے کہ انسان اپنے معاملات کا فیصلہ اپنی مرضی (جذبات و خواہشات) کے مطابق کرنا چاہتا ہے یا وحیٔ خداوندی کے مطابق؛ اپنے تمام معاملات کو وحیٔ خداوندی کے تابع رکھنے کا نام "اقامتِ صلوٰۃ" ہے۔ چنانچہ سورۂ مریم میں "اقامتِ صلوٰۃ" اور "اتباعِ جذبات" کو ایک دوسرے کے مقابل لاکر اس مفہوم کو واضح کر دیا گیا ہے، ارشاد ہے۔ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِھِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّبَعُوا الشَّھَوٰتِ .... (۵۹/۱۹)

"(انبیائے کرام) کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہو گئے کہ انہوں نے صلوٰۃ کو ضائع کر دیا اور اپنے جذبات و خواہشات کے پیچھے پیچھے چلنے لگ گئے۔"

گویا انسان کا اپنی خواہشات کے پیچھے چلنا صلوٰۃ کو ضائع کر دیتا ہے، اور قوانینِ خداوندی کے پیچھے چلنا صلوٰۃ کو قائم رکھتا ہے۔ سورۃ انعام میں "محافظتِ صلوٰۃ" کو آخرت اور کتاب اللہ پر ایمان رکھنے کے مرادف قرار دیا گیا ہے۔ (۶/۹۲) اسی بنا پر ابن قتیبہؒ نے الصلوٰۃ کے معنی "الدین" کئے ہیں۔ یعنی اقامتِ صلوٰۃ درحقیقت اقامتِ دین ہے۔

صلوٰۃ کے اس مفہوم سے ظاہر ہے کہ ایک عبدِ مؤمن، زندگی کے جس گوشے میں بھی قوانینِ خداوندی کے مطابق اپنے فرائضِ منصبی ادا کرتا ہے، وہ فریضۂ صلوٰۃ ہی ادا کر رہا ہوتا ہے۔ اس کے لئے وقت، مقام یا شکل کا تعین ضروری نہیں۔ یہی بنیادی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے مروّجہ صلوٰۃ کی جزئیات بصراحت متعین نہیں کیں۔ لیکن قرآن کریم میں بعض مقامات ایسے بھی ہیں جہاں صلوٰۃ کا لفظ ان اجتماعات کے لئے بھی آیا ہے، جنہیں عام طور پر نماز کے اجتماعات کہا جاتا ہے۔ یہ اجتماعات جو بظاہر ایک خاص نوعیت کا عمل نظر آتے ہیں درحقیقت صلوٰۃ کے وسیع تر مفہوم کا ایک لازمی حصہ ہیں۔ ان اجتماعات اور اقامتِ صلوٰۃ کے باہمی تعلق کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے تو ایک الگ مضمون درکار ہے، تاہم اگر ہمیں فطرت کے قوانین کی وقوع پذیری کا علم ہو تو اس تعلق کو سمجھنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوتی۔ قانونِ خداوندی کی رُو سے اس کائنات میں ہر عمل ایک مخصوص طریقۂ کار سے گزر کر اپنا مطلوبہ نتیجہ مرتّب کرتا ہے۔ اس طریقۂ کار میں اگر کہیں بھی کوئی خامی یا نقص پیدا ہو جائے تو پھر وہ عمل بھرپور نتائج پیدا نہیں کرتا یا سرے سے نتیجہ خیز ہی نہیں ہوتا۔ مثلاً ہم کھیت میں بیج بوتے ہیں۔ اس سے پہلے پودا بنتا ہے پودے پر پتے، کلیاں اور پھول بنتے ہیں اور پھر سٹے بننا شروع ہوتے ہیں، جو کہ اس سارے عمل کا مطلوبہ نتیجہ ہوتے ہیں۔ ہم اس سارے عمل میں یعنی بیج سے سٹے بننے تک کسی بھی چیز کو فضول یا فالتو نہیں کہہ سکتے۔ ہر چیز اپنی جگہ اہم ہے۔ ورنہ یوں بھی ہو سکتا تھا کہ جیسے ہی بیج بویا، زمین سے ڈنڑیکٹ سٹے نکلنا شروع ہو گئے! نظامِ خداوندی میں ایسا نہیں ہوتا۔ یہاں ہر عمل کو نتیجہ خیز ہونے کے لئے ایک طریقۂ کار چاہیئے اور ہر طریقۂ کار کے لئے ضروری ہے کہ وہ مطلوبہ نتیجہ پیدا کرے۔ ورنہ وہ "حبطت اعمال" کہلائے گا۔ اقامتِ صلوٰۃ کے لئے جو اجتماعات منعقد کئے جاتے ہیں ان کی اہمیت بھی یہی ہے کہ ان کے بغیر اقامتِ صلوٰۃ کا پروگرام نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا۔ اور اگر یہ اجتماعات مطلوبہ نتیجہ پیدا نہیں کرتے تو پھر یہ بھی "حبطت اعمال" کہلائیں گے۔ خواہ یہ کتنے ہی اہتمام سے کیوں نہ منعقد کئے جائیں اور ان میں شرکت دیانت داری، خلوص اور نیک نیتی پر مبنی کیوں نہ ہو۔ بہرحال مروّجہ اجتماعات کے متعلق اتنا سمجھ لینا کافی ہوگا کہ انہیں جو عبادتِ خداوندی سے تعبیر کیا

جاتا ہے اور پھر جس شدّ و مد سے ان کی پیروی اور پرچار کیا جاتا ہے۔ وہ کم از کم قرآنی تعلیمات کا حصّہ نہیں۔ قرآن کریم کی رُو سے "خدا کی عبادت" سے مفہوم اس قسم کی "پرستش" یا "پوجا پاٹ" نہیں جو عام طور پر اہلِ مذاہب کے ہاں پائی جاتی ہے۔ قرآنِ کریم کی رُو سے "عبادت" کا مفہوم خدا کے قوانین و احکام کی اطاعت ہے۔ ایک مومن کی ساری زندگی، دن رات، صبح و شام، قوانینِ خداوندی کی اطاعت اور ان کے نفاذ کی تگ و دو میں گذرتی ہے۔ اس لئے عبادت کے لئے کسی الگ طریقۂ کار یا گوشے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ قرآنِ کریم کا یہ بنیادی مطالبہ ہے۔ ادخلوا فی السلم کافۃً (۲/۲۰۸) "اس نظام کو مکمل طور پر اپناؤ"۔ اس لئے کہ اس کے بغیر اس نظام کے نتائج کی بار آوری ہی نہیں ہو سکتی۔ پورا نظام تو درکنار، ایسی صورت میں اس کی کسی ایک شق کا بھی مطلوبہ نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔ صلوٰۃ کا مطلوبہ نتیجہ "فحشاء اور منکرات" کا سدباب بتایا ہے۔ اب اس کا حصول کیسے ممکن ہوگا۔ اگر معاشرے میں ان کے سدباب کے لئے قوانین ہی نہ ہوں۔ یہ ذکر اذکار یا سجدے لگانے والی بات تو نہیں! فحشاء اور منکرات کے خاتمے کے لئے ایک مربوط معاشرتی نظام چاہیئے، اور جو نظام بھی یہ مقصد حاصل کرے گا وہی الصّلوٰۃ کہلائے گا۔

ان تصریحات کو ذہن میں رکھئے اور سوچئے کہ ہم، قرآنِ کریم کی رُو سے کس حد تک افراط و تفریط کا شکار ہو گئے ہیں۔ صلوٰۃ کی رسومات کو تو اس حد تک اہمیت دی کہ یہ مومن کی معراج قرار پائیں۔ لیکن اس کے مقصد کو یوں نظر انداز کر دیا کہ جس کی کوئی موزوں مثال نہیں دی جا سکتی۔ یہ تو بعینہٖ اسی طرح ہے کہ ایک بچہ سکول باقاعدگی سے آئے جائے، اس کی جملہ رسومات میں حصّہ لے، حتیٰ کہ کلاسوں میں بھی متوجّہ رہے لیکن ٹیچر جو پڑھائے، نہ اسکی سمجھ میں آئے اور نہ سمجھنے کی کوشش کرے، تو اس کے ان سارے اعمال کا جو نتیجہ برآمد ہوگا وہ سوائے مایوسی و نامرادی کے کیا ہو سکتا ہے؟ اگر یہ طالب علم کل کو ٹیچر سے یہ گلا کرے کہ میں تو نہایت خلوص اور نیک نیتی سے کلاسوں میں حاضری دیتا رہا۔ مجھے فعل کرنے سے پہلے میرے خلوص اور نیک نیتی کا وزن تو کر لیا ہوتا! ٹیچر اس کا کیا جواب دے سکتا ہے؟ الّا یہ کہ، تم وزن کی بات کرتے ہو۔ ہم نتیجے کے دن تمہارے لئے میزان تک نہیں کھڑی کریں گے۔ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ط (۱۸/۱۰۵)۔

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ چونکہ وہ نہایت خشوع و خضوع اور نیک نیتی سے خدا کی عبادت کرتے ہیں، لہٰذا اس کا اجر انہیں ضرور ملے گا۔ یہی عقیدہ حضور اکرمؐ کے زمانے میں یہود و نصاریٰ کا تھا۔ وہ بھی خدا کی کتاب کے علمبردار تھے اور سمجھتے تھے کہ جس خلوص اور نیک نیتی سے وہ خدا کی عبادت کر رہے ہیں، وہ ضرور نتیجہ خیز ہوگی۔ ان کے نزدیک بھی، ہماری طرح عبادت کی معراج "تزکیۂ نفس" تھی۔ نبیٔ اکرمؐ کو مخاطب کر کے فرمایا: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ط کیا تو نے انکی حالت پر بھی غور کیا جو یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ خدا کے نام پر جو

کچھ وہ کر رہے ہیں اس سے ان کا تزکیۂ نفس ہو رہا ہے۔ انہیں سمجھاؤ کہ تزکیۂ نفس یوں نہیں ہوا کرتا۔ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ، بلکہ یہ صرف ضابطۂ خداوندی کی رُو سے ہو سکتا ہے جسے اس نے اپنی مشیت کے مطابق بذریعہ وحی عطا کیا ہے۔ اس ضابطۂ قوانین کا خاصہ یہ ہے کہ لَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا (۴/۴۹)۔ کسی کا ذرّہ بھر عمل بھی رائیگاں نہیں جاتا۔

اس کے علاوہ جس قانون کے تحت بھی زندگی بسر کی جائے گی اور جو عمل بھی کیا جائے گا صحیح نتیجہ برآمد نہیں ہو گا۔ خدا کے قانون میں نیک نیتی اور خلوص کی قدر تب ہی ہے جبکہ وہ صحیح طریقِ کار پر مبنی ہو۔ طبعی کائنات میں نافذ خدا کے قوانین اس صداقت کا بیّن ثبوت ہیں۔ سطحِ آب پر کشتی کے تیرنے کے لئے قدرت کا ایک قانون مقرّر ہے۔ اب اگر کوئی کشتی ساز اس قانون کو نظر انداز کر کے، نہایت محنت اور خلوص سے ایک خوبصورت کشتی بنا کر پانی میں چھوڑتا ہے، تو وہ کشتی ڈوب جائیگی۔ اس کا خلوص اور نیک نیتی کشتی کو ڈوبنے سے نہیں بچا سکتی۔ اسی طرح بچّہ اگرچہ معصوم ہوتا ہے لیکن اگر وہ آگ میں ہاتھ ڈالے گا تو خدا کا قانون اس کی کوئی مدد نہیں کرے گا۔ لہٰذا ہم سب کے لئے یہ عبرت کا مقام ہے کہ اگر اپنی کشتیوں کو ڈوبنے سے بچانا ہے اور اگر اپنے آپ کو آگ کے شعلوں سے محفوظ رکھنا ہے تو خلوص، نیک نیتی اور معصومیّت سے پہلے ہمیں اپنے ہر عمل کے لئے خدا کا قانون معلوم کرنا چاہیئے۔

انسان کی تمدّنی اور معاشرتی زندگی کے لئے جو قوانین مقرر کئے گئے ہیں، وہ قرآنِ کریم کی دفتین کے اندر محفوظ ہیں۔ لہٰذا، پہلے تو یہ بھول جائیے کہ کسی عمل کے بارے میں فلاں امام کا کیا قول ہے یا فلاں کتاب میں کیا آیا ہے؟ کتاب اللہ کو ہمیشہ سامنے رکھیئے۔ یہ خدائے علیم وحکیم کی کتاب ہے۔ اگر یہ کتاب آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دے پاتی تو پھر سمجھ لیجئے کہ اس کا جواب کہیں سے نہیں مل سکتا۔ کیوں کہ خدا کے علم وحکمت سے بڑھ کر کوئی نہیں اور نہ ہی خدا سے زیادہ صحیح اور سچی بات کوئی کہہ سکتا ہے۔ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيثًا۔ (۴/۸۷)

دوسری اہم بات یہ ہے کہ رکوع وسجود کے ساتھ ساتھ قوانینِ خداوندی کے نفاذ کے لئے کوشش کیجئے۔ جب تک یہ قوانین ایک مربوط معاشرتی نظام کی شکل اختیار نہیں کرتے، ہمارے رکوع وسجود نہ تو ہماری ذات پر اور نہ ہی معاشرے کی صحت پر اثرانداز ہو سکتے ہیں۔ نظام قائم کرنے کے لئے سب سے پہلے سابقہ نظام کی جڑیں اکھاڑنا پڑتی ہیں۔ اور یہ کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ نبی اکرمؐ کے دورِ ہمایونی میں بلالؓ کی اذانوں کے ساتھ ساتھ۔ بدر وحنین تک یہ جو ہمیں تلواروں کی جھنکار سنائی دیتی ہے۔ درحقیقت اس نظام کا قیام تھا جسے قرآنِ کریم "اقامتِ صلوٰۃ" کی جامع اصطلاح سے تعبیر کرتا ہے۔ ورنہ اگر یہ محض نماز پڑھنے والی بات ہوتی تو جس طرح آج کسی کو اعتراض نہیں اس وقت بھی اتنا سخت کوئی نہ کرتا۔ یہ جو حضورؐ نے نماز کو جنت کی کنجی کہا تھا تو اس سے بھی مراد اقامتِ صلوٰۃ کی راہ میں حائل دقّت ومصائب کا احساس دلانا تھا۔ کیونکہ جنت رسمی رکوع وسجود سے حاصل نہیں ہوتی۔ اس کے متعلق ارشاد

ہے۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ۔ اے جماعتِ مومنین! کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ جنت یوں آسانی سے مل جائے گی۔ ایسا نہیں ہو سکے گا۔ وَلَمَّا یَاْتِکُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِکُمْ ط تمہیں بھی ان جانگداز مراحل سے گذرنا پڑے گا، جن سے وہ لوگ گزرے ہیں، جنہوں نے اس سے پہلے اس کے حصول کی کوشش کی: مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ۔ سختیاں اور مصیبتیں انہیں چاروں طرف سے گھیر لیتیں۔ وَزُلْزِلُوْا ان کی شدت سے ان کے دل دہل جاتے حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ۔ یہاں تک کہ وہ اور ان کا رسول پکار اٹھتے مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِ ط بارِ الٰہا! ہماری کوششوں کی بار آوری کا وقت کب آئے گا اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ ط ایسے ایسے ہمت شکن اور صبر آزما مراحل کے بعد کہیں جاکر ان کی کوششیں کامیاب ہوتیں اور تائیدِ ایزدی ان کی سعی و عمل کو ثمر بار کرتی۔ (۲/۲۱۴)۔

یہ تھی انبیاء کرام کی اقامتِ صلوٰۃ۔ طاغوتی قوتوں کو جڑ سے اکھاڑ کر خدائے وحدہٗ لاشریک کی قوت و اقتدار کا جھنڈا گاڑنا۔ اور جب اس کے سائے میں مؤذن اعلان کرتا۔ قد قامت الصلوٰۃ۔ آؤ کہ صلوٰۃ قائم ہو چکی۔ تو ہر دیکھنے والا اور سننے والا بیساختہ پکار اٹھتا۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ ہاں! آج معلوم ہوا کہ قوت و اقتدار جسے کہتے ہیں وہ صرف خدائے برتر و عظیم کے لئے ہے۔ اقامتِ صلوٰۃ کا یہ اعلان لوگوں میں آزادی کا ایک بے نظیر احساس پیدا کرتا: جبروتی و استحصالی قوتیں ان کے آگے سرنگوں ہو جاتیں، اور وہی معاشرہ جو کل تک ایک جہنم ہوتا، اقامتِ صلوٰۃ سے سدا بہار جنت میں بدل جاتا۔

برادرانِ عزیز! اقامتِ صلوٰۃ کے سلسلے میں آج بھی کرنے کا کام یہی ہے۔ یعنی ہر باطل نظام سے انکار اور اس کی جگہ نظامِ خداوندی کے قیام کے لئے انتھک جدوجہد! بلکہ میں تو کہوں گا کہ آج کل کے جمہوری دور میں یہ جدوجہد اس قدر آسان ہو گئی ہے کہ اس کے ساتھ "انتھک" کا سابقہ زیب ہی نہیں دیتا۔ موجودہ دور کے نظام ہماری نگاہِ انتخاب کے محتاج ہیں، ووٹ دیا قائم ہو گیا، ووٹ نہ دیا ختم! اگر نگاہِ انتخاب صحیح ہو تو باطل کے نظام کو ایک ووٹ کی اکثریت سے تہس نہس کیا جا سکتا ہے۔ نگاہِ انتخاب قرآنِ کریم کے مطالعہ سے درست ہو سکتی ہے۔ قرآنِ کریم کا کثرت سے مطالعہ کیجئے۔ اس کے جملہ اصول و قوانین کو ازبر کیجئے لیکن مولویوں کی طرح نہیں، جو ان جملہ قوانین کو پڑھ پڑھا کر مُردے بخشوانے بیٹھ جاتے ہیں۔ آپ نے ان اصول و قوانین پر مبنی ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا ہے جس میں ہر فردِ معاشرہ جنت بداماں زندگی بسر کرے۔ قرآنِ کریم کے مطالعہ کے ضمن میں ایک بات خاص طور پر وضاحت طلب ہے اور وہ یہ کہ قرآنِ کریم کے مروجہ تراجم و تفاسیر کی اکثریت ایک چیستاں ہے۔ آپ ان کو ایک بار نہیں، سو بار پڑھ کر دیکھ لیجئے، سوائے خوف و ہراس کے کچھ پلے نہیں پڑے گا۔ اور مزید یہ کہ ان تراجم و تفاسیر کو پڑھ کر نظامِ خداوندی کا کوئی حلقہ سا خاکہ بھی ذہن میں نہیں بنتا۔ غور کیجئے، کہ جب ذہن میں کوئی خاکہ ہی نہیں ہوگا تو وہ نظام کیسے

قائم ہوگا۔ اسلامی نظام کی علمبردار موجودہ سیاسی پارٹیوں کی ٹریجڈی کی بھی یہی بنیادی وجہ ہے کہ ان کے پاس کوئی واضح نظام نہیں۔ اس مشکل کا حل محترم پرویزؔ صاحبؒ نے پیش کیا ہے۔ آپ نے لغات القرآن، تبویب القرآن مفہوم القرآن اور مطالب الفرقان جیسی بلند پایہ کتب لکھ کر اس کتابِ عظیم کے معانی و مفاہیم کو وہ وسعتیں عطا کی ہیں جو زیادہ نہیں تو کم از کم موجودہ دور کے مسائل کا بخوبی احاطہ کر لیتی ہیں۔ انہی کتب کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ قرآن کریم واقعی ایک زندہ کتاب ہے جو ہر دور کے مسائل کا حل پیش کر سکتی ہے۔ اور مزید یہ کہ فضلِ خداوندی سے یہ علم، اگر انسان کو نہ ملتا تو تنہا عقل کے لئے ان مسائل کا حل تلاش کرنا ممکن نہ تھا۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ پرویزؔ صاحب کی یہ کتب صحیح ترین اور اعلیٰ ترین ہیں، لیکن اتنا ضرور عرض کروں گا کہ جو حضرات جادۂ قرآنی پر چل کر اقامتِ صلوٰۃ کا فریضہ ادا کرنا چاہیں، ان کے لئے ان کا مطالعہ نہایت مفید اور کارآمد ہوگا۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ط

طلوعِ اسلام کا موقف

اسلام نام ہے زندگی کے ہر شعبے میں احکامِ الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینے کا۔ ان کی پوری پوری اطاعت کرنے کا۔ نماز اس طرح سرِ تسلیم خم کرنے کا عملی اعتراف اور محسوس مظاہرہ ہے۔ خدا کے سامنے سر جھکا دینے (سجدہ ریز ہو جانے) سے انسان اس امر کا اقرار (یا اظہار) کرتا ہے کہ وہ اپنے ہر ارادے، ہر فیصلے اور ہر عمل میں اسی کے احکام کی اطاعت کرے گا۔ جس کا دل، جذباتِ فرماں پذیری اور اطاعت گذاری سے لبریز ہو۔ اس کا سر خود بخود خدا کے حضور جھک جائے گا۔ اور جو خدا کے حضور سر جھکانے میں عار یا سبکی محسوس کرتا ہے۔ وہ اس کی اطاعت کیا کرے گا؟

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی واضح رہے کہ جو شخص زندگی کے مختلف شعبوں میں قوانینِ الٰہی سے سرکشی برتتا ہے، اس کا نماز میں رسمی طور پر سر جھکا دینا مقصودِ صلوٰۃ کو پورا نہیں کرتا۔

ثریا عندلیب

خدائے زندہ زندوں کا خدا ہے

اگر ہمیں کوئی یہ کہے کہ تم زندہ نہیں مُردہ ہو، تو ظاہر ہے کہ یا تو ہم اسے فاتر العقل سمجھ کر اس کی بات پر توجہ نہیں دیں گے، یا پھر اشتعال میں آکر اس پر جھپٹ پڑیں گے۔ لیکن بحیثیت مسلمان اگر ہم قرآن سے رابطہ کریں اور اس سوال کا جواب چاہیں کہ ہم زندہ ہیں یا مردہ! تو یہ حقیقت ہے تو ہمارے لئے بڑی کڑوی اور ناقابلِ قبول، مگر بہرحال حقیقت یہی ہے کہ قرآن کی رُو سے ہم سانسیں تو ضرور لیتے ہیں، لیکن زندہ کہلانے کا حق نہیں رکھتے، کیونکہ ہم نے وہ زندگی اختیار نہیں کر رکھی جس کا تقاضا قرآن کرتا ہے اور جس کا قرآن نازل کرنے والے اللہ نے ہمیں مکلف ٹھہرایا ہے

خدا خود زندہ ہے۔ ازلی و ابدی زندگی کا مالک۔ اس کی مشیت یہ ہے کہ اس کا پیدا کردہ انسان، اس کا بندہ بھی زندگی کے اوصاف کا حامل رہ کر اس موت کو شکست دے سکے جو انسانی جسم کا شکار نہیں کرتی بلکہ آہستہ آہستہ انسانیت کو اس طرح چکنا چور کر دیتی ہے کہ انسان سر اٹھانے کے قابل نہیں رہتا۔ زندگی کی خصوصیات سے تہی دامن رہ کر انسانیت کو اس موت سے بچایا نہیں جا سکتا۔ یوں انسانیت سے محروم ہو جانے والوں کا تعلق زندگی سے رہتا ہے نہ زندگی دینے والے خدا سے۔ اس لئے کہ خدا کے ساتھ انسان کا تعلق، اس کی کتاب کے حوالے سے ہوتا ہے۔ وہ کتاب مبین جو مکمل بھی ہے اور غیر متبدل بھی (۶/۱۱۶) اور قیامت تک محفوظ بھی (۱۵/۹)، لہٰذا ہم جو خدا کی ذات پر یہ ایمان رکھتے ہیں کہ وہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا، تو ہمارے لئے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ خدا کا زندہ و پائندہ ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔ اس کا عملی مفہوم اس کی کتاب کے زندہ و پائندہ ہونے سے متعلق ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ اس کتاب کے قوانین و قواعد پر یقینِ محکم رکھتے ہوئے ان کی پیروی کی جائے۔ اسی کا نام خدائے زندہ کی اطاعت و محکومیت ہے۔ خدا کی ذات کو ہمارا ذہنِ محدود سمجھ نہیں سکتا۔ ہم صرف ان قوانین کو سمجھ سکتے ہیں جو اس نے ہماری زندگی کی نشوونما کے لئے ہمیں دیئے ہیں۔ اسے ہماری زندگی کی نشوونما مطلوب ہے۔ اسی لئے وہ خدائے زندہ، زندوں کا خدا ہے۔

قرآن کریم بتاتا ہے کہ جماعتِ مومنین کی زندگی متمیز اور ذی شان ہونی چاہیئے۔ یہ خدا کا فیصلہ ہے۔ جو ایسا نہیں سمجھتا وہ سراسر غلطی اور گمراہی پر ہے۔ مسلمان اس دنیا میں ایک امتیازی زندگی بسر کرنے آیا ہے

عزّت و وقار، سربلندی و سرفرازی، عظمت و سطوت اس کے اعمالِ صالح کے لازمی نتائج ہونے چاہئیں. جو اعمال ایسے نتائج پیدا نہیں کرتے ان کو ہم آپ فریب خوردگی کے تحت اسلامی کہیں تو کہیں وہ ہرگز اسلامی رُوح نہیں رکھتے. اسلامی رُوح قرآنی اصول و اقدار کی پابندی سے پیدا ہوتی ہے جو تنِ مردہ کو زندہ کرتی ہے۔

یاد رکھیئے! زندہ سے مراد محض سانس لینے والے اور مردہ کے معنی طبعی طور پر مرجانے والے نہیں. اس لئے کہ طبیعیات کی رُو سے حیات اور موت کی تعریف اور ہے اقدارِ خداوندی کی رُو سے کچھ اور. یہ وہ مقام ہے جہاں موت اور حیات کا فیصلہ ہمارے اعمال کے مطابق ہوتا ہے. یہی خدا کا قانون ہے وہ زندگی جو زندوں کی صف میں کھڑا کرتی ہے، خدائے زندہ کے عطاکردہ قوانین کے مطابق حسنِ عمل سے حاصل ہوتی ہے. ہماری اس انسانی سطح کی زندگی کا مدار سانس کی آمد و رفت پر نہیں: سانس تو ہم ہر وقت بلاشعور بلا ارادہ لئے چلے جاتے ہیں. اور پھر اسی پر تکیہ کر بیٹھتے ہیں، جبکہ خالی سانسیں لینا کوئی عمل نہیں. اسی لئے قرآن ہر سانس لینے والے انسان کو زندہ قرار نہیں دیتا. سانس تو چرند پرند پیڑ پودے غرضیکہ کل مخلوقِ خدا لیتی ہے. انسان تو وہ ہے جس کی انسانی صلاحیتیں بیدار ہوں اور اس کا ہر سانس ہدایتِ خداوندی کی روشنی میں قدم آگے اٹھانے کے لئے ہو. اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں یہ نوید دی ہے کہ صلاحیت بخش اعمال اختیار کرنے والوں کو خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں خوشگوار خوبصورت زندگی عطا ہوتی ہے. حسن و توازن سے بھرپور حیاتِ باشرف. جنتی زندگی جو حیاتِ آخرت کی جنت کے دروازے کھول دیتی ہے. قرآن کی بتائی ہوئی ان صداقتوں کا ہمیں علم تو ہے مگر ان پر کیا ہمارا یقین بھی ہے؟ ہمارے اعمال اس کے شاہد نہیں ملتے. برعکس اس کے ہم حیوانی سطحِ زندگی پر بھاگے چلے جارہے ہیں. وہ سطحِ زندگی جسے قرآن نے کفر سے تعبیر کیا ہے اور کفر کی زندگی اس کے نزدیک موت ہے. وہ کہتا ہے کفر کی زندگی حیوانی سطح کی زندگی ہے، جس میں مقصدِ حیات طبعی سامانِ زندگی سے متمتع ہونا. کھانا پینا چلنا پھرنا. افزائشِ نسل کرنا اور مرجانا ہوتا ہے. اور یاد رکھو کہ یہ جہنّم کی زندگی ہے (۴۷/۱۲) ہم بلاشبہ اپنا شمار خدائے زندہ کے زندہ بندوں میں کرتے ہیں اور ہرگز یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ ہم مردہ ہوچکے ہیں. لیکن جہاں صورت ہیں حالت میرس والا معاملہ ہو جائے وہاں دھوکہ اپنی ذات کو دیا جاسکتا ہے نہ کسی دوسرے کو. یہ خدا کا قانون ہے کہ صرف طبعی طور پر زندہ رہنے والے کا شمار اجتماعی طور پر دنیا کی زندہ قوموں میں نہیں ہوتا. جب قوم میں اجتماعی مفادِ انسانیت کی جگہ انفرادی مفاد پرستی لے لے تو اس کی جگہ دوسری قوم آجاتی ہے جو اس پہلی قوم جیسی نہیں ہوتی (۲۱/۱۱، ۴۷/۳۸، ۳۴). قرآنِ کریم کی یہ بہت بڑی تنذیر ہے. جو سابقہ اقوام کے لئے بھی رہی اور آج ہمارے لئے بھی ہے. مگر تنذیر اسی کیلئے مفید اور کارگر ہوسکتی ہے جو "زندہ" ہو. قرآن نے زندہ کے ایک لفظ میں بڑے جامع انداز میں بیان کیا ہے. جب کہا کہ رسول کی دعوت سے وہی قوم مستفید ہو

سکتی ہے جو "زندہ" ہو۔ لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا (۳۶/۷۰) تو انہی لوگوں کو زندگی کے خطرات سے آگاہ کر سکتا ہے جو زندہ ہوں اور ان میں زندہ رہنے کی رمق اور آرزو ہو۔ اسلامی نظام قائم کرنے کے پروگرام کی پہلی شرط یہ ہے کہ وہ انسان 'زندہ' ہوں۔ ہماری طرح 'مردہ' نہ ہوں۔ ظاہر ہے کہ یہاں مُردوں سے مراد طبعی طور پر مرجانے والے انسان نہیں۔ طبعی طور پر ہمارے زندہ ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ کیونکہ ہم ہر ممکن جائز و ناجائز طریقے سے الحیٰوۃ الدنیا کے تقاضے پورے کرتے ہیں۔ اپنی نفسانی خواہشات اپنے پیش پا افتادہ مفادات۔ تن پروری اور سہل انگاری ہماری اس دنیوی حیوانی سطح زندگی کا مطمحِ نظر ہیں۔ ہم اپنی ذات کو اس لئے عزیز نہیں رکھتے کہ اس کی وہ نشوونما ہو جائے جو اسے آگے بڑھنے اور اس دنیا کے بعد ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل بنا دے بلکہ ہمیں اپنی ذات اس لئے بہت پیاری ہے کہ اس پر ہمارے جسم اور وجود کے موجود رہنے کا انحصار ہے۔ جس جسم اور وجود کو ہر قسم کے خطرات اور تکالیف سے محفوظ رکھتے ہوئے ہم جیتے چلے جانے کے طالب رہتے ہیں۔ مگر وہ قرآن جس پر ہمارا ایمان ہے ہمیں یہ ہدایت دے رہا ہے کہ "خطرات سے منہ چرانے والی ذہنیت کفر ہے اور ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان رزم گاہِ حیات میں خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے سینہ سپر رہے (۳/۱۵۵) اس لئے کہ موت کے ڈر سے بھاگنے والے موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں اور اس کے سامنے کھڑے ہو جانے والے زندہ رہتے ہیں (۲/۲۴۳) قرآن کے نزدیک حقیقی زندگی وہ ہے جو شرفِ انسانیت کے لئے ہو، جس میں انسان اقدار و قوانینِ خداوندی (قرآن) کی روشنی میں علم و عقل سے کام لے کر تکریم آدمیت کا تحفظ کرے۔ شرفِ انسانیت اور تکریم آدمیت کیا ہے؟ یہ کہ کوئی انسان نہ کسی دوسرے انسان کا محتاج ہو نہ محکوم کسی دوسرے انسان کا محتاج و محکوم ہونا یا اس کے مقاصد کے حصول کا آلۂ کار بننا تذلیلِ انسانیت ہے اور جس معاشرہ میں کسی ایک فرد کو بھی ذلیل سمجھا یا ذلیل کیا جائے وہ معاشرہ نہ انسانی ہے نہ اسلامی۔

کیا ہم "زندوں" کے معاشرہ میں تذلیلِ انسانیت کی سینکڑوں ہزاروں جیتی جاگتی تصویریں نظر نہیں آتیں؟ کیا اس کی ذمہ داری ہم "زندوں" پر عاید نہیں ہوتی؟ کیا ہماری مثال اس فرمانِ خداوندی کی سی نہیں:۔

أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (۶/۱۲۲)

"کیا وہ شخص جو مُردہ تھا۔ پھر اسے ہم نے زندہ کیا۔ پھر اس کے ہاتھ میں نورانی شمع دی کہ وہ نوعِ انسان کے راستوں کو روشن کرے اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے جو تاریکیوں میں زندگی بسر کر رہا ہو اور ان تاریکیوں سے نکلنا بھی نہ چاہے۔ ضابطۂ خداوندی کو اپنا حکم نہ بنانے والوں کے اعمال اس طرح ان کی نگاہوں میں بڑے خوشنما بن کر دکھائی دیتے ہیں۔"

کیا ہمارا شمار ان لوگوں میں نہیں جو جذبات کی تاریکیوں میں گم ہیں اور ان سے نکلنا بھی نہیں چاہتے۔ در آنحالیکہ ہمیں قرآن کی نورانی شمع عطا کی گئی۔ ہم نے اس سے روشنی حاصل کی ہوتی تو یہ اندھیرے کب کے چھٹ چکے ہوتے۔ مگر ہم خدا کے اس فرمان کو بھی بھول چکے ہیں کہ "اپنے جذبات کا اتباع کرتے جانا اور ان پر مستقل اقدار کی پابندی عاید نہ کرنا باعث ہلاکت ہے (۳/۵۴) اور اس کے معنی یہ ہیں کہ" وہ قوم دنیا میں ذلت و خواری کی زندگی بسر کرے (۲۶/۳۹)۔

کیا من حیث القوم ہمیں اپنی ذلت و خواری نظر نہیں آتی؟ ہم جو اس ذلت و خواری کو قبول کرتے ہوئے اس پر قانع ہو بیٹھے ہیں۔ آخرت میں معزز کیوں کر ہو سکتے ہیں؟ خدائے زندہ کا یہ قانون ہے کہ جو اپنی موجودہ زندگی نہیں سنوار سکتا۔ اور اس رسوائی میں مطمئن ہے اس کی عاقبت نہیں سنور سکتی مَنۡ كَانَ فِيۡ هٰذِهٖۤ اَعۡمٰى فَهُوَ فِى الۡاٰخِرَةِ اَعۡمٰى (۲۲/۱۷) ہم نے کبھی سنجیدگی سے یہ سوچا نہیں کہ ہم اس پستئ حال سے دو چار کیوں ہیں؟!

ہم نے وہ کونسی روش اختیار کر رکھی ہے جس کا یہ نتیجہ بھگت رہے ہیں! وہ روش ہے نشستند و گفتند و برخاستند۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ کسی نے لکھ دیا کسی نے پڑھ لیا۔ کسی نے کہہ دیا کسی نے سن لیا اور پھر یہ سمجھ کر شانت ہو گئے کہ ہم سب کا فرض پورا ہو گیا۔ باتیں ہی باتیں۔ لکھ کر کہہ دیں یا بول کر سنا دیں۔ اپنی دانست میں اپنے زندہ ہونے کا ثبوت مہیا کر دیا، کیا کرایا کچھ نہیں مگر زندگی کے حقدار بن بیٹھے۔ ایسے مفروضات سے بھی کبھی زندگی کو تابندگی ملی ہے!!

کاش! ہم نے اس حقیقت کو کبھی سمجھا ہوتا۔ کہ قرآن مجید کے خلاف جس قدر معتقدات، نظریات، مسالک و مشارب رسوم و رواج اور قوانین و احکام ہیں سب تاریکیاں ہیں۔ خواہ ان کا نام کچھ ہی کیوں نہ رکھ لیا جائے۔ انہی تاریکیوں میں ہی تو ہم زندگی بسر کرتے چلے آ رہے تھے۔ جب ہم نے ان سے نکلنا چاہا اور اس کے لئے سعی کی تو ایک آزاد مملکت کی صورت میں پاکستان کو متشکل کیا۔ اس عزم اور عہد کے ساتھ کہ ہم اپنی زندگیوں کو قرآنی روشنی سے منور کریں گے۔ پہلے خود اس زندہ و تابندہ روشنی میں آئیں گے اور اس کے بعد اس شمع آسمانی سے عالمگیر انسانیت کے راستے روشن کریں گے۔ ہمارا یہ اپنے خدا سے اور اپنے آپ سے یہ عہد تھا، جسے ہم نے یکسر بھلا دیا۔ ہمیں روشنی ملی تو اپنی آنکھیں ہی بند کر لیں نتیجۃً حیات نو کے دروازے ہم پر بند ہو گئے۔ اس پر بھی ہمارا یہ دعویٰ کہ ہم زندہ ہیں ے کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا۔ اگر ہم واقعی زندہ ہونا چاہتے ہیں، زندہ رہنا چاہتے ہیں تو ہمیں دیدۂ دل وا کرنا ہو گا۔ خدا کی کتاب زندہ کے ساتھ حقیقی معنوں میں وابستہ ہونا ہو گا۔ تمام معاملات زندگی میں اسے اپنا حکم بنانا ہو گا۔ ہمیں اس کے قوانین و ضوابط کے مطابق ایک نیا معاشرہ تعمیر کرنا ہو گا۔ مگر یہ سب کچھ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ہم اپنے قلب و ذہن میں تبدیلی کریں گے۔ کہ اس کے بغیر ہمارے خارجی حالات میں انقلاب بپا نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم نے واضح الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ "جب تک قوم کے افراد میں

نفسیاتی تبدیلی نہ آئے خارجی حالات کو نہیں بدلا جا سکتا۔" ۱۵/۴/۱

آئیے! آج سے ایک بار پھر ہم سب بطیب خاطر یہ عزم صمیم کریں کہ ہم نے خدائے زندہ کے زندہ بندوں میں شامل ہونا ہے اور اس مقصد کے لیئے ہمارا ہر قدم اس کی کتاب زندہ کی رہنمائی میں آگے بڑھے گا اور ہمارا ہر عمل فرمودہ خداوندی کی تفسیر ہوگا۔

واللہ المستعان

نقد و نظر

نام کتاب : ذہنی ونفسانی ارادوں کی صحیح تشکیل
مصنف : حافظ محمد یعقوب خان تاجیک

کتاب کا عنوان پڑھتے ہی جو پہلا خیال ذہن میں آیا، یہ تھا کہ شاید کتابت کی غلطی سے اداروں کو ارادوں لکھ دیا گیا ہے، لیکن کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ ایسا نہیں ہے۔

حافظ یعقوب خاں صاحب نے اس مختصر سی کتاب میں مختلف عنوانات کے تحت قارئین کی توجہ قرآنی تعلیمات کی طرف دلائی ہے تاکہ ان پر عمل کرکے معاشرے میں موجود ناہمواریوں اور فساد کو دور کیا جا سکے۔ چند عنوانات یہ ہیں ــــ

پاکستان کا نصب العین ؛ تو صاحب منزل ہے کہ بھٹکا ہو راہی ؛ مذہب، سیاسی مذہب اور دین ؛ جہیز ؛ تزکیۂ نفس ؛ یہ خطائے نظر ہے کہ زمین انسان کی ملکیت ہے وغیرہ

فاضل مصنف نے اپنے مؤقف کی تائید میں قرآنی آیات سے استدلال کیا ہے اور کتاب کے مطالعہ سے بہت کچھ استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ کتابت گوارہ ہے۔ قیمت درج نہیں۔

A۳-A۲ انگوری باغ ہاؤسنگ سکیم شالامار لاہور سے مل سکتی ہے۔

(ش۔ ح)

حقائق و عِبَر

۱۔ فرقہ اہلِ حدیث کے قول و فعل میں تضاد

فرقہ اہلِ حدیث کے ایک ہفت روزہ اخبار "تنظیم اہلحدیث" کی ۲۴ر نومبر ۱۹۸۹ء کی اشاعت میں " گمراہ لیڈروں اور حکمرانوں کا ساتھ دینا خطرناک ہے" کے عنوان سے لکھا ہے :۔

بات صرف اتنی ہے کہ :۔

اگر انسان اللہ اور اس کے رسولؐ کا کہا مان لے تو دنیا کے ساتھ اس کی آخرت بھی بن جاتی ہے ...... لیکن اس کے بجائے یہ لوگ اپنے وقت کے ان سیاسی لیڈروں، حکمرانوں اور برادری کے ان بااثر افراد اور بڑوں کے پیچھے ہو لیتے ہیں جو اپنے سیاسی مصالح اور خصوصی اغراض کے لئے ان کو استعمال کرتے ہیں۔

ان کی صرف دنیا ہی اجیرن نہیں ہوتی، آخرت بھی تباہ ہو جاتی ہے۔ اس لئے آخرت میں پچھتائے گا اور کہے گا کہ

الٰہی ! ان گمراہ کن سیاسی رہنماؤں اور برادری کے چوہدریوں نے ہمارا بیڑہ غرق کیا تھا، اب تو بھی ان کی خوب خبر لے۔

لیکن ایسا کرنے سے یہ چھوٹ نہیں جائیں گے۔ ان کے ساتھ ان کی بھی خبر لی جائے گی۔

(ہفت روزہ تنظیم اہلحدیث بابت ۲۴ر نومبر ۱۹۸۹ء، ص ۲)

ساری دنیا میں مارشل لار کی حکومت کو عوام دشمن اور خطرناک سمجھا جاتا ہے لیکن اہلحدیث حضرات کے قول و فعل میں تضاد دیکھئے کہ انہوں نے تن من دھن سے مارشل لار حکومت کا ساتھ دیا اور اب وہ یہ بھی تسلیم کرنے لگے ہیں کہ

اسی مارشل لا حکومت نے فرقہ اہل حدیث کو مزید دو فرقوں، لکھوی فرقہ اور احسان الٰہی ظہیر فرقہ میں تقسیم کر دیا تھا

۲۔ بلا تبصرہ

امریکہ میں چھپنے والی "یو ایس فارچون" میگزین کی ایک رپورٹ کے مطابق دنیا کے سب سے زیادہ امیر ترین اشخاص میں دوسرے نمبر پر سعودی عرب کے شاہ فہد (خادم حرمین شریفین) ہیں جن کی دولت تقریباً ۴ کھرب روپے (۱۸ بلین امریکن ڈالر) کے برابر ہے۔ پہلے نمبر پر برونئی کے سلطان ہیں جن کی دولت کا تخمینہ تقریباً ۵ کھرب کے برابر بتایا گیا ہے۔

(بحوالہ ہفت روزہ نئی قیادت کراچی جلد ۱ شمارہ ۵، دسمبر ۱۹۸۹ء)

۳۔ حکیم الامت حضرت تھانوی کے نزدیک قرآن مجید کا استعمال

علمائے دیوبند مولانا اشرف علی تھانوی کو حکیم الامت کا لقب دیتے ہیں اور حاجی امداد اللہ مکی کے بعد اسے برصغیر کا سب سے بڑا کامل مرشد سمجھتے ہیں۔ انہی کے حوالے سے مولانا اشرف علی تھانوی کے بھی کچھ ملفوظات بیان ہوتے ہیں۔ ایک ملفوظ کو قارئین طلوع اسلام بھی ملاحظہ فرمائیں:۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے اعمال قرآنی کے نام سے تین حصوں میں ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے۔ جس میں قرآن کی آیات کے فوائد اور ان کے ذریعے سے جسمانی روحانی امراض سے شفا حاصل کرنے کا طریقہ بیان فرمایا تاکہ مسلمانوں کو ضرورت کے وقت غیر شرعی طریقہ علاج اختیار نہ کرنا پڑے۔ اس رسالہ کے آخر میں فائدہ تامہ کے عنوان سے حضرت تحریر فرماتے ہیں۔

احقر کو حضرت مرشدی و سیدی حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے ارشاد فرمایا تھا کہ اگر کوئی حاجت مند تعویذ وغیرہ لینے آوے تو انکار مت کیا کر، جو خیال میں آوے لکھ کر دے دیا کرو۔ چنانچہ احقر کا معمول ہے کہ اس حاجت کے مطابق کوئی آیت قرآنی یا اسم الٰہی سوچ کر لکھ دیتا ہے اور بفضلہ تعالےٰ اس میں برکت ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک بیوی کی مانگ باوجود کوشش بار بار کے سیدھی نہ نکلتی تھی۔ احقر نے کہہ دیا " اھدنا الصراط المستقیم " پڑھکر مانگ

نکال لو۔ چنانچہ ان کا پڑھنا تھا، مانگ بلے تکلف سیدھی نکل آئی۔ احقر نے یہ حکایت اس لئے عرض کی ہے کہ اور طالب بھی اس معمول کو اختیار کرے تو امید نفع کی ہے۔ انتہٰی۔

(ماہنامہ البلاغ، بابت نومبر سنہ ۸۹ء، ص ۳۷)

دیکھئے حکیم الامت صاحب نے قرآنِ مجید، جو انسانیت کو سیدھی راہ دکھانے آیا تھا، کس طرح اس سے ایک عورت کی مانگ کو سیدھا نکالنے کا کام لیا۔

۴۔ تحریک پاکستان اور علمائے دیوبند

علماء حضرات نے قیامِ پاکستان کی جس شدّت سے مخالفت کی تھی، کروڑوں اہلِ وطن نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ان میں سے لاکھوں لوگ ابھی زندہ موجود ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ پاکستان کے قیام کی جنگ لڑنے والے، حضرت قائدِاعظم محمد علی جناح کو ان لوگوں نے کافرِاعظم کہا تھا لیکن ان حضرات کی ڈھٹائی ملاحظہ ہو کہ وہ اب اپنے آپ کو پاکستان کا بانی ثابت کرنے پر اپنا زور صرف کر رہے ہیں۔ حال ہی میں علمائے دیوبند کی جانب سے اس عنوان پر ایک کتاب بعنوان ـــ تحریکِ پاکستان اور علمائے دیوبند ـــ شائع کی گئی ہے۔ جس پر تبصرہ کرتے ہوئے البلاغ، کا ایڈیٹر، لکھتا ہے:۔

اس حقیقت کو خواہ کتنا ہی نظر انداز کیا جائے مگر وہ چھپی نہیں رہ سکتی کہ پاکستان کا قیام، علماء کرام کی کاوش و کوشش کا رہینِ منت ہے اور تحریکِ آزادی ہند یا تحریکِ حصولِ پاکستان علماء کرام ہی کی بے نام و بے ریا جدوجہد کا ثمر ہے۔ چونکہ ان مخلص بندوں کا مقصد محض رضاءِ الٰہی تھا، وہ صرف اسی لئے ایسی تحریکوں میں شرکت کرتے رہے تھے کہ ایک خطۂ ارضی پر احکم الحاکمین کے تمام تر احکامات کو نافذ کر دکھایا جائے اور دنیا اسلامی معاشرہ، اسلامی عدل و انصاف اور اسلامی حقوقِ شہریت کا دلفریب نظارہ کر لے۔

۵۔ اسلام کے نام پر سودابازی

حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کو علمائے دیوبند کا جدِ امجد سمجھا جاتا ہے۔ ان کے بارے میں دعوے کیا جاتا ہے کہ ان جیسا عالمِ دین اور مرشدِ کامل سارے برصغیر ہند و پاکستان میں پیدا نہیں ہوا۔ فرقہ دیوبند

کے ترجمان ماہنامہ "البلاغ" کی نومبر ۸۹ء کی اشاعت میں ان کے ملفوظات شائع ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے:۔

"حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحب نے جس وقت تھانہ بھون کی مسجد پیروالی میں قیام فرمایا۔ اس وقت یہاں سہ دری نہ تھی، کچھ قبریں تھیں کچھ درخت تھے اور اس جگہ ایک بزرگ بیٹھا کرتے تھے۔ جن کا نام حسن علی شاہ صاحب تھا صاحبِ سماع تھے مگر دنیا دار نہ تھے، سچے تھے۔ حضرت جب یہاں تشریف لائے تو انہوں نے اتنا ادب کیا کہ خود اٹھ کر شاہ ولایت صاحب میں چلے گئے حالانکہ حضرت اس وقت جوان تھے اور یہ بوڑھے تھے۔ ان کے چلے جانے کے بعد حضرت یہاں رہنے لگے۔ حضرت میاں جی نورُ محمد صاحب قدس سرہٗ بھی یہاں تشریف لایا کرتے تھے۔ یہاں ایک خاندان تھا، ان کی زمین ضبط ہوگئی اور وہ لوگ کوشش کر رہے تھے حضرت میاں جی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس بھی وہ لوگ دعا کے واسطے حاضر ہوئے تو حضرت میاں جی نے فرمایا کہ میرے حاجی کو بیٹھنے کی تکلیف ہے۔ یہ ان کے لئے ایک سہ دری بنادو، میں دعا کروں گا۔ انہوں نے سہ دری بنانے کا وعدہ کر لیا اور الٰہ آباد میں جا کر موافق ہو گیا جس کی اطلاع ایک خاص خط سے ہوئی۔ انہوں نے حضرت سے تذکرہ کیا، تو حضرت نے فرمایا کہ کیا وعدہ بھی یاد ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت پوری سہ دری بنانے کی تو قوت نہیں، آدھی بنادیں گے۔ حضرت نے فرمایا، بہت اچھا آدھی سہی، پھر الٰہ آباد سے باضابطہ حکم آیا کہ تاحیات تو معاف، تمہارے بعد پھر ضبط، پھر انہوں نے آکر میاں جی سے عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ تم ہی نے تو آدھا کیا ہے، میں کیا کروں۔"

(ماہنامہ البلاغ، بابت نومبر ۸۹ء، ص ۳۴)

ان کے اس ملفوظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حاجی امداد اللہ کی دعا یقیناً قبول ہوتی تھی اور انہیں یہ پیشگی علم ہوتا تھا کہ وہ جو کچھ کہیں گے، اسی کے مطابق نتیجہ ہوگا۔ چنانچہ وہ اپنی دعا کی باقاعدہ قیمت وصول کرتے تھے اور اگر کوئی دعا کے معاوضے میں کمی کر دیتا تو آپ فوراً اپنی دعا کے اثرات میں بھی کمی کر دیتے تھے۔ ان کے اس عمل سے ظاہر ہے کہ وہ غیب کا علم جانتے تھے۔ حالانکہ قرآنِ مجید نے غیب کا علم صرف اللہ تعالےٰ کا خاصہ قرار دیا ہے یہاں تک کہ رسول اللہ صلعم کی زبانی بھی کہلوا دیا کہ میں غیب نہیں جانتا (لا اعلم الغیب) لیکن علمائے دیوبند کے جدِ امجد تو غیب دان تھے

۶۔ مودودی صاحب کے چہرے سے نور کی شعاعیں

قرآن مجید میں جس نورِ خداوندی کا ذکر ہے۔ اس کے بارے میں علامہ غلام احمد پرویزؒ صاحب فرماتے ہیں اس سے مراد عقل کی روشنی، علم کی روشنی، وحی کی روشنی وغیرہ مراد ہیں۔ (لغات القرآن، جلد چہارم ص ۱۶۷۳) مودودی صاحب بھی قرآنی نور کی یہی تشریح کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ دنیا میں علم و بصیرت کا وہ نور عطا کرے گا جس کی روشنی میں تم کو قدم قدم پر صاف نظر آتا رہے گا کہ زندگی کے مختلف معاملات میں جاہلیت کی ٹیڑھی راہوں کے درمیان اسلام کی سیدھی راہ کون سی ہے۔

(تفہیم القرآن جلد ۵، ص ۳۳۳، سورت الحدید)

لیکن ہمارے ملک میں نیم تعلیمیافتہ علماء نور سے وہ مادی روشنی مراد لیتے ہیں جس میں سے شعاعیں نکلتی ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ جاہل عوام کو بے وقوف بنانے کے لئے اپنے فرقے کے علماء کے لئے عقیدت پیدا کرنے کے لئے یہ مشہور کر دیتے ہیں کہ ان کے چہروں سے نور کی شعاعیں نکلتی رہتی ہیں۔ پہلے اس قسم کے دعوے نیم تعلیمیافتہ علماء کرتے تھے۔ اب جماعت اسلامی بھی کچھ اس قسم کے دعوے کرنے لگی ہے، ملاحظہ ہو:۔

میری ایک مدت سے خواہش تھی کہ مولانا مودودیؒ کی زیارت کروں لیکن کوئی موقع نہیں ملتا تھا۔ ایک مرتبہ مولانا کا طلبہ سے خطاب شائع ہوا۔ اس میں مولانا نے فرمایا تھا کہ ــــ ہو سکتا ہے کہ یہ میرا آخری خطاب ہو۔

مولانا کی اس تقریر کی رپورٹ پڑھ کر میرا دل دہل گیا اور میں نے تہیہ کر لیا کہ لاہور جا کر مولانا کی ضرور زیارت کروں گا۔ چنانچہ میں لاہور پہنچا اور مولانا کی اچھرے والی کوٹھی کے برآمدے میں جا بیٹھا۔ اتنی دیر میں مولانا کے دفتر کا دروازہ کھلا اور اس میں سے ایئر مارشل اصغر خاں صاحب نکلے۔ میں مولانا کے پی اے کے پاس گیا اور کہا کہ میری بھی مولانا صاحب سے ملاقات کروا دیجئے۔ میں بڑی دُور سے صرف مولانا کی زیارت کرنے کے لئے آیا ہوں۔

اس پر وہ مجھے اندر لے گئے۔ میں نے مولانا سے مصافحہ کیا اور کہا۔ میں آپ کی زیارت کرنے آیا ہوں۔ میں نے جب مولانا سے مصافحہ کیا تو میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل آئے۔ مولانا نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں نے دیکھا کہ لیمپ کی روشنی میں مولانا کے چہرے سے نور کی شعاعیں نکل رہی تھیں۔

بابو غلام رسول، گاؤں داتہ ضلع مانسہرہ۔

(ہفت روزہ ایشیا، ۲۶ نومبر ۱۹۸۹ء)

یہ سارا خط جعلی معلوم ہوتا ہے اور اس کا مقصد عوام کو بے وقوف بنانا ہے۔ مودودی صاحب عام طور پر اس قسم کے ملاقاتیوں سے اس وقت ملاقات کرتے تھے۔ جب وہ نماز پڑھنے کے لئے باہر نکلا کرتے تھے۔ جماعت اسلامی کی اس خلاف قرآن حرکت سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اندر سے کسقدر کھوکھلی ہو چکی ہے!

قرآنی فکر کی نشر و اشاعت

آپ اس میں کس طرح حصہ لے سکتے ہیں

طلوعِ اسلام قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کا ذریعہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا لٹریچر جسقدر زیادہ شائع ہوگا اسقدر قرآنی فکر عام ہوگی اور اسی نسبت سے قرآنی انقلاب قریب سے قریب تر آتا جائیگا۔ اس کے لئے طلوعِ اسلام نے "پیشگی خریداران" کی اسکیم جاری کی ہے۔ یعنی اگر آپ پانچ سو روپیہ پیشگی ادا کردیں تو آپ کا حساب کھول لیا جائیگا اور اسی میں سے آپ کو طلوعِ اسلام کی شائع کردہ کتابیں گھر بیٹھے ملتی جائیں گی تاآنکہ آپ کی پیشگی رقم پوری نہ ہو جائے۔ اس طرح

- آپ کی پیشگی رقم سے ہمیں مزید کتابیں شائع کرنے میں سہولت مل جائیگی۔ اور
- آپ کو طلوعِ اسلام کی کتابیں خود بخود ملتی چلی جائینگی۔ اگر آپ اس وقت اس اسکیم میں شامل نہیں ہوئے تو اب شامل ہو جائیے۔

رابطہ باہمی

طلوعِ اسلام کے قارئین مختلف مقامات میں بکھرے پڑے ہیں۔ ان میں باہمی رابطہ کیلئے ضروری ہے کہ ہر شہر میں ایک "بزمِ طلوعِ اسلام" قائم کی جائے۔ اراکین بزم باہمی مشوروں سے یہ سوچیں کہ اس قرآنی فکر کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کے لئے کیا طریقے اختیار کرنے چاہئیں۔ اس کے بعد آپ اپنی تجاویز سے ہمیں مطلع کریں جنہیں (حسبِ ضرورت) طلوعِ اسلام میں شائع کیا جائیگا۔ واضح رہے کہ بزم کسی قسم کی الگ پارٹی نہیں ہوگی نہ ہی اسکی طرف سے کوئی لٹریچر (بلا الجائت طلوعِ اسلام) شائع کیا جائیگا۔ یہ صرف قرآنی فکر سے ہم آہنگی رکھنے والوں کے مشاورتی اجتماعات کا ذریعہ ہوگی۔ ہر بزم کا ایک ترجمان ہوگا جس کی وساطت سے بزمِ مدیر طلوعِ اسلام سے خط و کتابت کرے گی۔

قرآنی تعلیم بچوں کے لئے

قاسم نوری

اللہ کی آخری کتاب (قرآنِ کریم)

محترم بچو!

گزشتہ مضمون میں ہم نے اُن آسمانی کتابوں کے بارے میں بتایا تھا، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور تمام نبیوں کے ذریعے سے ہم انسانوں تک پہنچیں ــــ آج آپ کو اللہ جل شانہٗ کی آخری کتاب یعنی قرآنِ کریم کے بارے میں موٹی موٹی یعنی بنیادی چند باتیں بتائیں گے کہ قرآن کے معنی کیا ہیں ــــ یہ کب، کیوں؟ نازل کیا گیا اور آخر اس کا فائدہ کیا ہے۔ یعنی ہم اسے کیوں پڑھیں؟ ــــ لیکن مضمون شروع کرنے سے پہلے ایک شکایت ہے کہ آپ پوری توجہ سے بات نہیں سنتے۔ ہم نے پہلے بھی لکھا تھا کہ ان صفحات میں جب بھی آپ کوئی ایسی بات پڑھیں جو اس سے پہلے سننے میں نہ آئی ہو تو پریشان ہونے یا گھبرانے کے بجائے مضمون میں دیئے گئے حوالوں کی مدد سے خود قرآنِ کریم سے اس کی تصدیق کر لیا کریں۔ اس سے کئی فائدے ہوں گے۔ آپ کو قرآنِ کریم میں غور و فکر کرنے کی عادت پڑے گی، جواب دیکھنے آجائیں گے، جس بات کی قرآن سے تصدیق ہوگی وہ آگے یقین سے دوسروں تک پہنچا سکیں گے اور پھر یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ہزاروں لاکھوں ایسی باتیں ہیں جو قرآن کے مطابق ہیں ہی نہیں اور غلط طور پر ہم تک پہنچی ہیں اور آج وہی غلط باتیں ہمارے ایمان کا حصّہ بنی ہوئی ہیں ــــ لیکن

بھئی آپ ایسا نہیں کرتے۔ ہر نئی بات پر گھبرا جاتے ہیں۔ دھڑا دھڑ خط لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ کبھی اعتراض، کبھی غصّہ اور کبھی بحث۔ لیکن قرآن سے تصدیق نہیں کرتے۔ ہمیں آپ کے خط پاکر زبردست خوشی ہوتی ہے لیکن بھئی خود بھی تو تصدیق کی عادت ڈالیئے نا ــــ تو آئیے! اب قرآنِ مکرّم کی باتیں کریں ــــ تو پہلے تو یہی بات آپ کو بتائیں کہ ہم نے اسے "قرآنِ مکرّم" کیوں کہا؟

عربی زبان میں جب کسی کی عزّت اور تعریف کے لئے اتنا بلند لفظ تلاش کیا جائے جس سے زیادہ عزّت کے لئے کوئی لفظ ہی نہ ہو تو وہ لفظ ہوگا "مکرّم" (تکریم والا)۔ چونکہ قرآنِ کریم اللہ کی آخری کتاب ہے، جو قیامت تک آنے والے لوگوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے ہے اور انسانوں کو ہر دکھ اور مصیبت سے نجات دلانے کے لئے ہے، اس لئے کائنات کی سب سے زیادہ مقدّس، اہم اور عزّت کے لائق ہے۔ خود اللہ تعالےٰ نے اس کے لیئے "عظیم"، "کریم" اور "مجید" کے لفظ استعمال کئے ہیں۔ ($\frac{28}{21} = \frac{50}{1} = \frac{56}{77}$) اور قرآن کے کاتبوں، یعنی لکھنے والوں کو بھی مکرّم کہا ہے۔ ($\frac{80}{16}$) اور اس پر ایمان لانے والے مومنین کو بھی مکرّم کہا ہے ($\frac{37}{42} = \frac{36}{27}$) ($\frac{70}{35}$)۔ اچھا بچو! اس مقام پر ایک بڑی عجیب اور مزے دار بات معلوم ہوئی ــــ اللہ کی ذات کے لئے قرآنِ کریم میں 'کریم' کا لفظ آیا ہے ($\frac{23}{116}$) یعنی تعریف اور عزّت کے لئے اس سے زیادہ کوئی مستحق نہیں ہے پھر تمام رسولوں کے لئے بھی کریم کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ($\frac{69}{40} = \frac{41}{17}$) پھر یہی لفظ "کریم"، فرشتوں کے لئے بھی آیا ہے ($\frac{21}{26} = \frac{82}{11}$) اور ان کے لئے بھی جو اس قرآن پر ایمان لائیں گے ($\frac{37}{42} = \frac{36}{27}$) اور بھئی اس پر ایمان لانے والوں کو جو اجر (انعام) ملے گا وہ بھی "اجرِ کریم" ہوگا۔ ($\frac{36}{11} = \frac{34}{44} = \frac{33}{31}$) تو بتا

ہے بات کیا ہوئی؟ بات یہ ہوئی کہ اللہ تو کریم ہے ہی کہ وہ ایسے مقام پر ہے جہاں تمام عزتیں، عقیدتیں اور احترام کی حدیں ختم ہو جاتی ہیں لیکن جو کوئی سچے دل سے اللہ کی کتاب پر ایمان لائے گا اور اللہ کی صفات کو اپنے اندر ڈھالتا اور اتارتا چلا جائے گا وہ بھی اتنی ہی عزت اور تکریم کے قابل ہو جائے گا کہ اس سے آگے عزت و احترام کی کوئی حد نہیں ہوگی ــــ اب ذرا ترتیب سے چلتے ہیں۔

پیارے بچو! یوں تو "قرآن" کے اور بھی معنی کئے جاتے ہیں لیکن عربی گرائمر کی رُو سے اس کے نزدیک ترین معنی ہیں "اعلان" ــــــ (PROCLAMATION) اور اس اعلان سے مراد ہے افراد، اقوام اور نسلوں کی ہدائت و راہنمائی کا اعلان ($\frac{39}{23} = \frac{34}{50} = \frac{6}{158}$) نور اور روشنی کی آمد کا اعلان ($\frac{5}{15-16} = \frac{4}{184}$، $\frac{42}{52}$)۔ باطل قوتوں، ظلم و جرم کے خاتمے کا اعلان ($\frac{13}{39} = \frac{42}{24} = \frac{21}{16-18}$)۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ "اعلان" آج سے چودہ سو سال یعنی تقریباً ایک ہزار چار سو دس سال پہلے اس کرۂ ارض پر گونجا تھا۔ اور اللہ کے ایک مقدس و مکرم فرشتے جبرئیلؑ (جنہیں روح الامین بھی کہا جاتا ہے) کے ذریعے سے ہمارے پیارے نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دل پر نازل ہوا (اترا) تھا ($\frac{2}{98} = \frac{16}{2} = \frac{16}{102} = \frac{26}{193-95}$) یہ سرزمینِ عرب کے شہر مکہ مکرمہ میں، رمضان کے مہینے میں نازل ہونا شروع ہوا۔ نازل ہونے کا آغاز مکہ کی ایک پہاڑی کے گہرے غار میں ہوا، جہاں ہمارے نبی محترمؐ غور و فکر کے لئے اکثر و بیشتر جایا کرتے تھے۔ اس غار کا نام حرا ہے۔ یہ قرآن ایک ہی بار نازل نہیں ہوا ($\frac{25}{32}$)۔ اس سے پہلے بھی تمام رسولوں پر فرشتے ہی "وحی" لے کر نازل ہوا کرتے تھے ($\frac{16}{2}$) بھئی آپ کو نازل اور وحی کا مطلب بھی بتاتے چلیں۔ عربی زبان میں

نُزِّلَ کے معنی ہوتے ہیں "اوپر سے نیچے کی طرف آنا یا، اترنا" قرآنِ کریم میں یہ لفظ "وحی" کے لئے استعمال ہُوا ہے اور 'وحی' کے معنی ہوتے ہیں "وہ علم جو اللہ کی طرف سے نبیوں کو دیا جاتا تھا" قرآن کریم کے تیس ۳۰ پارے ہیں۔ فارسی زبان میں تیس ۳۰ کے ہندسے کے لئے "سی" کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور باب، جزو، حصّہ اور ٹکڑے کے لئے "پارہ" کا لفظ، بہت سے لوگ ہر پارہ کو "سیپارہ" کہتے ہیں۔ یہ غلط ہے کیونکہ سی پارہ کا مطلب "ایک پارہ" نہیں ہوتا، تیس ۳۰ پارے ہوتے ہیں۔

اس میں ایک سو چودہ ۱۱۴ سورتیں ہیں۔ یہ تمام سورتیں یا تمام تیس پارے تیئیس ۲۳ سال کے عرصہ میں نازل ہوئے۔ نبی اکرمؐ نے اس کی کتابت اور حفاظت کا مکمل انتظام کیا۔ حضورؐ کی وفات کے وقت یہ اپنی مکمل کتابی شکل میں موجود تھا۔ بالکل اسی طرح جس طرح آج ہمارے پاس موجود ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ آج تک اس میں ایک حرف کا بھی ردّ و بدل نہیں ہُوا، کیونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود ربّ العزّت نے لے رکھا ہے۔ ($\frac{15}{9} = \frac{6}{16}$) اس میں موجودہ اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے اور انسانی زندگی کے ہر گوشے کے لئے راہنمائی موجود ہے۔ ($\frac{41}{44}$)

عزیز بچّو! اب ایک بہت اہم بات کرنی ہے۔ دنیا کی کوئی بھی کتاب ہو، جب تک اسے سمجھا نہ جائے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا اور بھئی! یہ قرآنِ کریم تو ایسی کتاب ہے کہ زندگی کے ہر معاملے میں اور کائنات کی ساری گتھیوں کو سلجھانے میں مدد دیتی ہے تو سوچو اسے سمجھنے کی اہمیّت کس قدر ہوگی!!؟ اب بعض بچّے کہیں گے بھلا ہم کیسے سمجھ سکتے ہیں یہ تو بہت مشکل ہے ــ لیکن بچّو یہ مشکل نہیں ہے "قرآن کو بہت آسان بنایا گیا ہے تاکہ لوگ آسانی سے سمجھ سکیں" ($\frac{44}{58}$)۔ بہت موٹی سی بات ہے کہ ساری دنیا اور ساری زبانوں میں جتنے بھی اعلانات ہوتے ہیں۔ ان میں کبھی ثقیل، بھاری

اور مشکل زبان استعمال نہیں کی جاتی خواہ وہ اعلان کوئی حکومت کرے، ادارہ یا تنظیم کرے یا انفرادی طور پر کیا جائے کیونکہ اعلان کرنے والے کا مقصد تو بات کو دوسروں تک پہنچانا ہوتا ہے۔ فرض کرو کوئی اعلان کر رہا ہے "آج شام جلسہ ہوگا" اور یہ اعلان ایسی زبان اور لہجہ میں کرے جو کسی کی سمجھ میں ہی نہ آئے تو جلسہ میں ایک آدمی بھی نہیں پہنچے گا اور اعلان کرنے والے کا مقصد ہی پورا نہیں ہوگا۔ قرآن کے تو معنی ہی "اعلان" کے ہیں۔ تباہی اور بربادی سے خبردار کرنے کے ہیں۔ سوچو اگر یہ مشکل ہوگا تو انسان تباہی سے خود کو بچا ہی نہیں سکے گا۔

پیارے بچو! کچھ لوگ یہ بھی سمجھتے ہیں اور دوسروں کو بھی یہ کہہ کر قرآن سے دُور کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ سب یونہی بناؤٹی باتیں ہیں۔ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے۔ رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی (معاذ اللہ) دل سے گھڑ لیا ہے اور کہہ دیا کہ اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ بچو! یہ اعتراض خود رسولِ اکرمؐ کے زمانے میں بھی کچھ لوگوں نے کیا تھا اور اس کا جواب رسولؐ کے بجائے خود اللہ تعالےٰ نے دیا تھا۔ یہ جواب قرآن میں موجود ہے اور ڈیڑھ ہزار سال گزر جانے کے باوجود دنیا کے سامنے چیلنج بنا ہوا ہے اور قیامت تک آنے والوں کے لئے چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ نے جواب میں کہا "تم اس بات کی دلیل مانگتے ہو کہ یہ قرآن اللہ کی جانب سے ہے تو (یاد رکھو) یہ اپنی دلیل آپ ہے۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ یہ کسی انسان کا کلام ہے تو اس جیسا قرآن بنا کر دکھا دو (۱۰/۸۸) پورا قرآن نہیں (تو چلو) اس جیسی دس سورتیں مرتب کر کے دکھا دو (۱۱/۱۳) (اچھا) دس کو بھی چھوڑو صرف ایک سورت ہی بنا کر دکھا دو" (۱۰/۳۸) الٹی سیدھی باتیں بنانے والوں سے اللہ نے کہا کہ ساری دنیا کی دولت بھی اکٹھی کر لیتے تو اس جیسی نعمت تمہیں میسر نہ آتی جو کسی محنت کے بغیر، مفت میں اللہ کی طرف سے تمہیں مل گئی۔ یہ قرآن تو اللہ تعالےٰ کی رحمت اور فضل سے نازل ہوا ہے۔ اس پر تمہیں خوشیاں (جشن) منانی چاہئیں۔ (۱۰/۵۸)۔

طلوع اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی

مطبوعات کی قیمتیں جنوری ۱۹۹۰ء

نوٹ: ان قیمتوں میں ڈاک اور پیکنگ کا خرچ شامل نہیں

نام کتاب	قیمت
مفہوم القرآن (مکمل سیٹ۔ کھلے پارے)	۱۵۰/۰۰ روپے
پارہ نمبر ۱، ۳۰ (فی پارہ)	۶/۰۰ 〃
پارہ نمبر ۲ تا ۲۹ (فی پارہ)	۵/۰۰ 〃
مفہوم القرآن (مکمل سیٹ۔ مجلد)	۱۷۰/۰۰ 〃
(تین جلدوں میں۔ فی جلد)	۶۰/۰۰ 〃
لغات القرآن۔ (مکمل سیٹ۔ مجلد۔ ایک جلد میں)	۲۸۵/۰۰ 〃
چار جلدوں میں (فی جلد-/۷۵)	۳۰۰/۰۰ 〃
تبویب القرآن۔ تازہ ایڈیشن (تین جلدوں میں)	۲۵۰/۰۰ 〃
ایک جلد میں	۲۴۰/۰۰ 〃
مطالب الفرقان ۔ چھ جلدیں	۴۶۵/۰۰ 〃
(جلد اول، دوم۔ تازہ ایڈیشن۔ جلد سوم) ہر جلد	۷۵/۰۰ 〃
مطالب الفرقان ۔ جلد چہارم	۹۰/۰۰ 〃
مطالب الفرقان۔ جلد پنجم و ششم (ہر جلد)	۷۵/۰۰ 〃
من و یزداں (تازہ ایڈیشن)	۷۵/۰۰ 〃
ابلیس و آدم (تازہ ایڈیشن)	۷۵/۰۰ 〃
جوئے نور (تازہ ایڈیشن)	۶۰/۰۰ 〃

نام کتاب	قیمت
برق طور (تازہ ایڈیشن)	۶۰/۰۰ روپے
شعلۂ مستور (تازہ ایڈیشن)	۶۰/۰۰ 〃
معراج انسانیت (تازہ ایڈیشن)	۶۰/۰۰ 〃
مذاہب عالم کی آسمانی کتابیں (اعلیٰ ایڈیشن)	۵۰/۰۰ 〃
(سٹوڈنٹ ایڈیشن)	۲۰/۰۰ 〃
انسان نے کیا سوچا؟ (تازہ ایڈیشن)	۷۵/۰۰ 〃
اسلام کیا ہے؟ (تازہ ایڈیشن)	۵۰/۰۰ 〃
کتاب التقدیر (تازہ ایڈیشن)	۵۰/۰۰ 〃
جہان فردا	۴۵/۰۰ 〃
شاہکار رسالت (تازہ ایڈیشن)	۷۵/۰۰ 〃
نظام ربوبیت (تازہ ایڈیشن)	۵۰/۰۰ 〃
تصوف کی حقیقت	۶۰/۰۰ 〃
قرآنی قوانین (ڈیلکس ایڈیشن)	۵۰/۰۰ 〃
(سٹوڈنٹ ایڈیشن)	۱۰/۰۰ 〃
سلیم کے نام خطوط (مکمل سیٹ)	۶۵/۰۰ 〃
(جلد اول و دوم۔ فی جلد -/۲۰ روپے جلد سوم ۲۵/۰۰ 〃)	

نام کتاب	قیمت
طاہرہ کے نام خطوط (ڈیلکس ایڈیشن)	۶۰/۰۰ روپے
(سٹوڈنٹ ایڈیشن)	〃 ۱۲/۰۰
اسلامی معاشرت	〃 ۶/۰۰
مقامِ حدیث (تازہ ایڈیشن)	〃 ۱۰/۰۰
قرآنی فیصلے جلد اوّل (سابقہ اوّل، دوم، سوم)	〃 ۶۰/۰۰
جلد چہارم، پنجم (فی جلد)	〃 ۱۳/۰۰
ختمِ نبوتؐ اور تحریکِ احمدیت	〃 ۴۵/۰۰
حُسنِ کردار کا نقشِ تابندہ (تازہ ایڈیشن)	〃 ۱۲/۰۰
تحریکِ پاکستان اور پرویزؒ (ڈیلکس ایڈیشن)	〃 ۲۵۰/۰۰
(سٹوڈنٹ ایڈیشن)	〃 ۷۰/۰۰
نوادرات ۔ مجلّد	〃 ۷۵/۰۰
پیپر بیک	〃 ۶۰/۰۰
اسبابِ زوالِ اُمّت	〃 ۳/۰۰
قتلِ مرتد اور غلام اور لونڈیاں اور یتیم پوتے کی وراثت	〃 ۸/۰۰
اقبالؒ اور قرآن ۔ جلد اوّل (ڈیلکس ایڈیشن)	〃 ۴۵/۰۰
جلد دوم (ڈیلکس ایڈیشن)	〃 ۷۰/۰۰
پرنسپلز آف لا میکنگ اِن اِسلام (انگریزی)	〃 ۶/۰۰
ISLAM A CHALLENGE TO RELIGION DELUXE	〃 100/-
STUDENT	〃 35/-
ISLAMIC WAY OF LIVING	〃 25/-

حسبِ ذیل کُتب کے سابقہ ایڈیشن ختم ہوچکے ہیں. طبعِ نَو پر اطلاع دی جائے گی. جہاد، سلسبیل، بہارِ نَو، الفتنۃ الکُبریٰ، منزل بہ منزل، فردوسِ گُم گشتہ، پاکستان کا معمارِ اوّل، تاریخ الاُمّت، فجرُ الاسلام۔

مطبُوعات النُور پرنٹرز

نام کتاب	قیمت
قبلۂ اوّل (حسن عبّاس رضوی مرحوم)	۳۵/۰۰ روپے
میجر عزیز بھٹی شہیدؒ (نشانِ حیدر) ۔ سوانح حیات (از: اصغر علی گھرال ایڈووکیٹ)	〃 ۱۰۰/۰۰
SIR SYED AHMED KHAN AS AN EDUCATIONIST (SHAMIM ANWAR)	〃 40/-
لِسانُ القرآن (از: پروفیسر رفیع اللہ شہاب)	〃 ۳۰/۰۰
تحریکِ پاکستان گولڈ میڈل 1989 (مرتبہ: شعبۂ تحریکِ پاکستان محکمۂ اطلاعات و ثقافت پنجاب)	〃 ۷۵/۰۰

تصنیفات ڈاکٹر سیّد عبدالودود صاحب

نام کتاب	قیمت
PHENOMENA OF NATURE & QURAN	〃 84/-
THE HEAVENS, THE EARTH & THE QURAN	〃 84/-
FOOD AND HYGIENE IN ISLAM	〃 9/-
GATEWAY TO THE QURAN	〃 54/-
CONSPIRACIES AGAINST THE QURAN	——
مظاہرِ فطرت اور قرآن	〃 ۱۳۲/۰۰

کتابیں ملنے کے پتے: طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) ۲۵/بی گلبرگ ۲، لاہور، پاکستان۔ فون ۸۷۹۲۴۶ * مکتبۂ دین و دانش چوک اُردو بازار، لاہور۔ پاکستان

نقد و نظر

مفکرِ قرآن علامہ غلام احمد پرویزؒ کے قلم سے

عزیز بھٹی شہید ——— زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا!

فرہادی محنت سے مرتب کردہ، محبت کے آنسوؤں سے تحریر نمودہ اور حسنِ ذوق کی پاکیزگی کے ساتھ پیش کردہ اصغر علی گھرال (ایڈووکیٹ گجرات) کی یہ تالیف، درحقیقت اس قرضہ کو چکانے کی مبارک کوشش ہے جو شہدائے پاکستان کے مقدس لہو کی صورت میں قوم کے سر پہ ہے۔ ان مایہ ناز فرزندانِ اسلام کی یاد تازہ رکھنے کیلئے مختلف شکلیں اختیار کی جاسکتی ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک ان میں سب سے زیادہ مؤثر اور پائیدار صورت یہی ہے کہ ان کے سوانح حیات، محفوظ کر دیئے جائیں۔ محترم مؤلف نے اس (قریب پونے چھ سو صفحات کی درخشندہ) کتاب میں شہید عزیزؒ کی پوری زندگی کے متعلق جس قدر معلومات فراہم و یکجا کر دی ہیں، ہم نہیں سمجھتے کہ ان میں کچھ بھی اضافہ ہوسکتا ہے۔ اور انہیں تلاش کرنے میں انہیں جس قدر کوکنی کرنی پڑی ہوگی، اس کا اندازہ کتاب دیکھنے کے بعد ہی کیا جاسکتا ہے۔ بالخصوص برکی کے محاذ (یعنی شہید کی زندگی کے آخری سات دنوں) کے جزئیاتی کوائف کے متعلق تو ذہن میں نہیں آتا کہ انہوں نے کہاں سے اور کس طرح حاصل کی ہیں۔ پھر انہیں پیش کرنے کا انداز اس قدر دلکش اور جاذب ہے کہ قاری اپنے آپ کو شہید عزیزؒ کے ہمرکاب چلتا پھرتا محسوس کرتا ہے۔ ہم محترم اصغر علی صاحب کو ان کی اس جگر تابانہ سعی مشکور پر مستحق صد مبارکباد سمجھتے ہیں۔

ان سوانح حیات سے یہ حقیقت بھی سامنے آئی کہ شہید عزیزؒ نے جس والہانہ شیفتگی سے اپنے آپ کو ملت پر نثار کیا ہے، یہ کسی ہنگامی جذبہ کی تخلیق نہیں تھی۔ اس کی ساری زندگی حسنِ سیرت اور رعنائی کردار کی آئینہ دار تھی۔ اور اس کی یہ قربانی اسی کا فطری نتیجہ تھی۔ ایسا نظر آتا ہے جیسے قوم کا یہ بطلِ جلیل ساری عمر اپنے آپ کو اسی حسین انجام کے لئے تیار کرتا رہا تھا۔ اقبالؒ نے کہا تھا کہ ؎

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا   شباب جس کا ہے بے داغ ضرب ہے کاری
اگر ہو جنگ تو شیرانِ غاب سے بڑھ کر
اگر ہو صلح تو رعنا غزالِ تاتاری

— شہید عزیزؒ — اقبالؒ کے اسی تصور کا حسین پیکر نظر آتا ہے۔ طوبیٰ لہٗ وحسن مآب

پرویز جولائی ۱۹۶۷ء

خدا کرے کہ ہمارے اربابِ حل و عقد کی سمجھ میں یہ بات آجائے کہ اس قسم کی سیرت ساز کتابیں ہمارے نصابِ تعلیم میں ہونی چاہئیں

عشق و خرد کا یہ دلکش مرقع، جو اب پاکستان رائٹرز گلڈ سے انعام یافتہ ہے، النور پرنٹرز و پبلشرز، پوسٹ بکس ۱۹۰، لاہور ۲۵ نے بارِ دگر خوبصورت ٹائیٹل کے ساتھ شائع کیا ہے اور مکتبۂ دین و دانش، چوک اردو بازار لاہور سے دستیاب ہے۔ قیمت -/۱۰۰ روپے۔

Talking about a model this is what Tim Blanking has to say about the enthusiasm and naive optimism of exporting the French Revolution across Europe. "If they had stayed at home and had set about creating a new order.......their example might well have inspired mass conversion to their cause across the globe. By trying to export that cause by armed force, they not only sealed their own fate, they also gave the old regimes they detested so much a fresh lease of life which was to see most of them through the next century." Herein lies the vindication of yet another Quranic guideline, a model as an example to others. Hindsight and second thoughts have made the truth obvious. Its another thing if as Hilary Mantel says. "Writers have truths to offer, while politicians and clerics commonly trade in lies. " Politicians and clerics, yes, they trade in lies, and in Islamic Polity neither of them have any place. Once we are educated in permanent human values and accept their implications and decisions even if they go against us, then such Machiavellian politics has no feet to stand on. But I shall end here.

We can only hope that someday, somewhere, somebody will present this model as a Third alternative to capitalist and socialist systems. It will not be done hastily, and yet it is remarkable that the results can emerge sooner than one expects and with minimum death and destruction and unnecessary pain. The very beauty of " Wahi " is to use Iqbal´s words, the economy of time and energy. Remember, it was the tortoise, who won the race, not the hare !

....

گہرہائے تابدار

رسول اللہؐ نے وفات کے وقت کچھ نہیں چھوڑا۔ نہ درہم نہ دینار۔ نہ غلام نہ لونڈی نہ کوئی اور شئے۔ صرف اپنا سفید خچر اور ہتھیار۔ اور کچھ زمین جسے عام مسلمانوں کے لئے چھوڑ دیا۔

(بخاریؒ)

see the results, the fruit of the seeds planted on another soil. After all, for a "*Momin*" the whole planet Earth is a home, and people of all climes, races and languages his brothers.

I am convinced a method other than this - that is teaching, pragmatic test and a model, rules and regulations for the transistory phase - will spell disaster. The great upheavals in France and Russia and China, well intentioned and visionary though they may be, were hasty and lacked the above mentioned methodology. The immediate result are described by themselves as " The Terror " which the historians now say was a " cruel experience." The all- consuming guillotine of France (It made Madame Roland, just before being guillotined say : "Oh Liberty, how many crimes are committed in your name 1 "), and the Gulag labour camps, and the Purge of the mid-thirties in Russia are regretted today . " Terror" has been the central theme of the historians, Douglas Johnson who talks about the terror and the counter- revolution (in France) has pinned down the cause to " a new political class (that) has come to the fore neither educated nor experienced, reacting to events rather than controlling them, thinking in terms of vengeance rather than in terms of principles." Sounds familiar? Well ! These are lessons of history vindicating and backing up the teaching and educational process the Quran enjoins as a prerequisite to begin a change. The tragedy of impatience and hastiness is manifest in all those regrets for it does not bring the goal any nearer. It took France nearly a century to digest the revolution after many mishaps of counterrevolution, revivalism, revolution again, now Republican, now monarchical accompanied by all the unnecessary pain. After seventy two years, Russia is back to square one, though at the same time it may be admitted that there is no going back to pre- 1789 ancient regime. Hopefully, that is dead for ever. It may be pointed out here that failure can also be due to some inherent flaw in the philosophy projected, but that is another story. *(a perusal of " Mafhoomul Quran" and "Insan Ne Kia Socha "by Mr.G.A.Parwez may be worth while.)*

They were to be ransomed or freed, as the case may be.

Indeed, this is how, according to my humble opinion and understanding the Quran views change; and as I said earlier, I do not claim to be absolutely original in saying so. This approach wipes off confusion and contradictions and sudden, hasty changes.

But this is not all. The Quran does not suffice in giving rules and regulations for the transitory period only. Prior to that, the peoples' minds have to change, they must be mentally and emotionally prepared for the change. This is a long, patient, rational and very slow process of teaching. That is why the Nabi (peace be upon him) is described as teacher. He teaches, he does not preach. They are two very distinct terms with distinct connotation. Teaching is a painstaking method and it is a worthwhile method. Short cut in this method will not take us to the goal. Commenting on " *perestroika*", Prof. Khwaja Masud says that it is a bloodless revolution (The Muslim, November 10)" It is a revolution that is being waged in the hearts and minds of the people. It is a more difficult revolution because while it is easy to snatch power, it is a Himalayan task to change the hearts and minds of the people." The professor considers "*presetroika*" as a continuation of the October revolution of 1917 in Russia and describes them as synonymous. That may be so, but I think the precedence is all wrong. " *Presetroika*" should have come first and then the Revolution. The Revolution then would not have been as bloody and as full of sufferings as it was. The Quran is so careful with its methodology that it enjoins upon the Nabi (peace be upon him), the teacher to leave his country or home town (*Hijrat*) for a place which is more conducive to the implementation of the new system. So while Nabi Muhammad (Peace be upon him) left Mecca for Medina just as Ibrahim had left Mesopotamia for Hijaz and Palestine, and Moses left Egypt for the valley of Senai. Thus " *Hijrat* " is no ordinary migration. It is the removing of the last hurdle in the way of the new vision and establishment of this vision as a pragmatic test. If the vested interests will not see reason, then at least let them

Actually, Pharaoh and Nimrods exist everywhere and so does the ungrateful and treacherous people like the Jews. These are only examples familiar to Arabs of those days. Similarly, punishments of flogging (by a date palm) is mentioned which was not common in other parts of the world. The philosophy and the psychology behind it all is, as Shah Wali Ullah put it, that the Arabs were to be prepared as a leaven ( ) for the rest of humanity. They were to be a model for others, since Islam or for that matter any idea, cannot be spread by force. By force the nomenclature of the individual may be changed, the head and the heart remain atrophied to the idea, even more so as a vendetta of a defence mechanism. Nothing could be more devastating to any new idea. So the Quranic approach to change is to begin from a certain point in time where one stands at the moment. Naturally, local and familiar methods and institutions are easier to use - politically, economically and judicially - than those that are superimposed. Nabi Muhammad (peace be upon him) for example used the tribal " bait " system to build democratic norms, i.e. to enable them to elect, select and participate in consultation. Iqbal and Jinnah recommended the secret ballot system and the parliamentary form with which the people were familiar. As one gains in experience and maturity these modes, techniques were evolved, changed, amended and improved wherever necessary. This includes the penal code as well. The Arabs were to continue flogging (with the date-palm) until alternate and better method of deterrence was evolved or acquired. Another society ought to begin from whatever they are used to and evolve and move forward accordingly. Of course the most inhuman practices were immediately done away with, for example killing and beheading the prisoners of war and taking them as slaves and concubines.

Otherwise too, many a women in Pakistan, leave alone the rest of the world, are so articulate, dialectic and confident that the term " bangled women " now applies perhaps more to some men than these women ! Of course a large majority are still depressed and helpless, meek and illiterate, they may still need help and support, so the transitory rules may still apply on them and naturally remain an integral part of the Quran for all those who are making a beginning and breaking new ground, lapsing again when closer and nearer the goal. Seen from this perspective the Quranic claim is vindicated that the proof of its divine source is that it contains no contradiction.

4. ***Punishments***: Talking about punishments, another aspect of this theme of change will have to be clarified, equally important and sensitive . The Quran , as the last and final Book spoke to humanity as a whole. It does not address a particular chosen people. Throughout the recipient is Al-Nas, mankind. Its challenge is that criterion for survival is service to humanity as an ultimate objective. All else will wither away. But, the Quran, as we all know was revealed in the midst of Hejazi Arabs. Why in Hejaz is a story by itself. (It would be worth while reading the introductory chapters of " Meraj-e-Insaniat " by Mr. G.A.Parwez) Now, while the ultimate objectives, the values of the Quran are permanent and universal, beyond space and time, some references in it and certain transitory rules, particularly the realm of punishments, are local and historical, but definitely exemplary for all times to come. Here are some cases in point. Although Anbia came to every nook and corner of the world, only a few from the Arabian peninsula are mentioned. Certain events, personalities and archaeological finds are referred to again from the same area.

normal healthy manner. I need hardly repeat here that even towards the end of the twentieth century, the mass of women on this earth are economically dependent and depressed, and hence easily manipulated and made emotionally and mentally crippled. Let's face it: It is a woman's incapacitated condition in pregnancy, child birth and lactation and the early upbringing of children that is the root cause of this economic victimization. Instead of honouring her for this role and helping her in her incapacitation, the perverted mind of the husband (not the son !) enslave her for all times. It is this perversion that the Quran attacks.

Mode of Change: In the transitory period, help and protection in this incapacitated condition is emphasized, but it is obvious that once the Quranic economic system gradually manifests itself in which no man or woman is economically dependent and his/her basic needs from the resources of land are fulfilled as a matter of birthright, and one eats and drinks naturally as one breaths in the air and absorbs the sunshine as free gift of nature, any talk of economic dependence becomes irrelevant. The whole concept is inbuilt in the system. Similarly, rules and regulations regarding the moral support of the second woman to the female witness in financial matters (mind you, in financial matters alone) becomes redundant when women become confident and experienced in these matters. In fact, when this happens, there is no reason why two female witnesses will not do when no male witness is forthcoming. Such a situation can arise especially today, and it needn't be a pre-requisite that one witness has to be a male. The way women all over, including Pakistani women, are entering the world of finance and banking, trade and commerce, business and industry, to insist on such a condition sounds funny if not worse.

2. ***Slavery***: The ultimate objective is the establishment of a human family and equality of all humans. Every individual is honorable for the simple reason that he/she is a human. No other consideration is needed. This is an absolute rejection of castes and classes, and above all, slavery. I wonder if anyone of us can visualize and feel what a dehumanizing affect, suppression of initiative and enterprise the buying and selling and auctioning of human beings, as commercial commodities, can bring about. May be we can get some idea if we see objectively what imperialism has done to us as subjugated people.

Mode of Change: The Quran encourages people to emancipate the slaves at every step, and side by side emphasizes loving and humane treatment like unto any member of the family. Thus measures are taken to protect them and nourish them in every way stage by stage until they are capable of standing on their own feet economically, and psychologically. Age old existence of being owned by somebody as a thing can make one feel lost, nervous and bewildered if suddenly thrown out into the free world as free persons. This is exactly what happened when more than a hundred years ago *Abraham Lincoln* emancipated the black American slaves and then left them in the lurch, as it were with all good intentions of-course, Many couldn't face this newly won freedom and pleaded to be allowed to hop back into the cage. The worst part of it is that till today the attitude of the white man has not changed. It has not been educated out of their minds (More will be said about education later).

3. ***Woman***: The ultimate objective of the Quran is equality of all humans and equal partnership and companionship in the family unit. Without this mutual respect and trust, a family cannot perform its functions in a

needs of every individual along with a guarantee to the unborn generations as well, it is followed by the permanent value - concept of using the resources of the land and not possessing them. " To possess" and "to have" are alien concepts to this new set-up.

Mode of change: This indeed is a radical and dialectic step in the midst of the large landed estates. However, no forcible snatching away is ordered; instead laws of inheritance divide and fragment the estates so that within a generation or two or three its total fragmentation will merge into non-possession of the Islamic economic system. (It is interesting to note here that this is how Napoleon broke the remnant of the feudal estates after the French Revolution. For centuries feudalism was maintained in Europe by the law of primogeniture, that is, the eldest son inheriting the estate singly in order to keep it intact. By distributing it among all the children it was fragmented until 12 acres of land became the unit of agriculture.) In the course of this ongoing process, *Zakat*, which is " to give away the surplus for the growth of the state in lieu of permanent guarantee of security, and as such the very base of the economy, will have matured. But while in the process of maturing, the citizen are enjoined to give "*Sadqah*" to fulfil the deficiencies and eliminate disproportion in the existing conditions, on individual basis. This is only for the transitory period. Once the system takes shape, both the " laws of inheritance " and " Sadqah" lapse and become redundant. However, these rules remain an integral part of the Quran for any society in any given space and time which is beginning from scratch. *Charity in any case is not a Quranic concept.*

methodology in moving forward towards the ultimate goal. The Quran warns against overnight changes. They can be self defeating, and even if partially successful, can cause prolonged, unnecessary suffering and inflict wounds that can be too gaping to be cured easily and normally. As Arnold Glasgow has well said : " The key to everything is patience. You get the chicken by hatching the egg - not by smashing it." Explaining the same point Parwez Sahib wrote in June 1938 about the doubts, questions and restlessness that were seething like a silent volcano in the breast of Muslim India, and promised to assuage them. " But it will be accomplished very gradually and slowly," he wrote "because tearing off from the thorny bushes with an abrupt, sudden, gesture is certainly no wisdom." Indeed, mental attitudes and world views change very slowly, and old habits die very hard. So the Quran begins by recognizing the reality of the situation here and now at any given point in history, both in material and psychological human condition, while directing its movement onward and upward. Nothing can change outside of human life, unless totally transformed from within, is a familiar Quranic approach. This reality is ignored by the humans in their hastiness. Lt's hear what Chingiz Aitmatov, a Kirghizian writer and Editor of the Soviet Magazine " Foreign Literature" said to Natalya Kazmina, APN corespondent. " When we rejected our past religion, history and philosophy - we laid waste our cultural field. We are duty-bound to compensate the spiritual void that has formed as a result of our undialectical attitude towards the past." Talking, about *'glasnost'* and *'perestraika'* in the same vein, he said "----- we should not smash everything along the way. In our attempt to change things today, to eliminate one thing or another - be it some relic or an alphabet - we should show great care, wisdom and tolerance in order to find the best possible decision. Our society has suffered enough from abrupt changes." This is the crux of the matter. The Quran is anxious to avoid " abrupt changes." An attempt is made below to give a few examples to explain the mode of change.

1. ***Economics***: The ultimate objective of the Quran being the fulfillment of the basic

subjugation, ownership of the resources of the land and acquisition of property, disparity of wealth and doling out of charity, realpolitik or Machiavellian politic. In a nut-shell no man has the right to rule over another and there is no such thing as the ruler and the ruled. Now, no opponent or disbeliever will deny this; all this is as bright as sunshine unless one closes ones eyes and says: I cannot see. But the confusion and rejection arise when one comes across certain rules and regulations regarding inheritance of property, woman as a woman and man-woman relationship, slavery, charity and punishments. The immediate comment is; Why this contradiction ? If the concept of possession is rejected, why then these laws of inheritance ? If slavery is abolished, why then these instructions for the treatment of slaves ? If women are human, why then these laws that humiliate and downgrade her ? After all, as long as women remain economically dependent on men, for she does emerge as a victim of a patriarchal Society according to these laws, then isn't her emancipation and dignity set at naught ? Furthermore, if everyone will be economically secure, why then these exhortations to give charity with all its accompanied dehumanization ? And last but not the least, if the Quran is the upholder of humanity, why then these barbaric and inhuman punishments ? After pointing out these contradictions, no matter what initiative one takes, nobody is ready to listen. Seen superficially, the contradictions are apparent; the two sets of laws and values must connect at some point for after all the Quranic challenge is that the proof of its supra-human source is the absolute absence of contradictions in its text.

Fortunately, the human experience of just the last two centuries makes the clarification easier, for it can be picked up as a pragmatic test. They have been very eventful centuries, teaching us many things if we care to learn.

Now, what appears as a contradiction in the Quran, is a very profound understanding of the human condition. While laying down radical changes in the socioeconomic and political areas, the Quran emphasizes a slow, evolutionary and unhurried process and

subversion and attack, but under the battering of "*glasnost*" and "*perestroika*" from within, led by no less a person than *Mikhail Gorbachev* himself. Then this year, 1989 happens to be the bicentenary of the French Revolution. Re-evaluation of and second thoughts on the French Revolution are being expressed from the advantage of hind-sight that is available to us. I am not referring to any country in the "Muslim" world because no bold experiment has been made by them and they do not have much to speak of about themselves except blind unthinking imitation (Sir Syed said that even a good tradition or institution becomes destructive if followed without understanding !) harking back to the past to maintain the status quo. Anyway, because of France and Russia, 1989 is indeed a great year, full of portends, constructive or destructive, for the time to come.

The emphasis of this article is on a particular aspect of the problem, that is, the approach Quran emphasizes and teaches in the methodology of change, and it is on this very aspect that some comments of the analysis on the French and Russian Revolutions become relevant. My contention is that this clarification will go a long way in meeting the above mentioned doubts and questions.

The justification or the rationale behind "*Wahi*"is the limitations of human reason, reason which is indispensable but is not pure or perfect. Because of this limitation human beings tend to be, says the Quran, hasty, impatient, quarrelsome and unable to see beyond their immediate profit. To harness human potentials and transform this " *Khudbeen* " attitude, as Iqbal puts it, to " *Doorbeen* " approach, permanent values are set forth as ultimate objectives of life on this earth. A mere glance at the relevant Quranic verses presents a picture of an earth-shaking revolution, reverberating in the corridors of power and challenging the status quo of the establishment. At once one sees its fury and its uncompromising attack on kingship, autocracy and dictatorship, feudalism and aristocracy, priestcraft and Brahmanism, caste and class, slavery and buying and selling of human beings as commodities, sexual discrimination and women

QURANIC APPROACH TOWARDS CHANGE

SHAMIM ANWAR

My mind has been preoccupied , for some years, with the concept of change and permanence in human life and as to how the Quran itself envisions it. Of course the concept is inherent in it and I was not unfamiliar, but what triggered off this constant preoccupation was, what could be described as woman bashing by Zia's regime in the form of Hadood Ordinance, Law of Evidence and the proposed law of Qisas and Diyat. As a consequence I got involved with some of the highly intelligent and highly qualified women activists of our country who were resisting these ordinances. The very fact that these women showed tremendous courage and resilience, rationality and creativity in the face of an unscrupulous military dictator, more than any section of the population, exploded many a myth about women. They were inferior to no one and they refused to live as second or third rate citizens.

However certain issues that were more or less settled in my mind were enlivened afresh through constant arguments and doubts that were raised. This time it was not just a question of unauthentic Hadith and the outdated fiqah, but certain verses of the Quran themselvesi. Does or does not the Quran accept woman as equal? They wanted a categorical answer. Ultimately, the question did not remain restricted to the woman's concerns, but included the institution of slavery, of property and inheritance, of charity as distinct from an economic system, and of punishments for various crimes. All these challenges gave me the opportunity to look deeper into the issues and the result is this article. In what I am going to say I do not claim to be original, but this is the moment in the history of the world to speak out and speak out boldly and openly.

The Quranic claim is that varied historical experiences whether within the ambit of its attitude and values, or outside it, that is, under the process of " trial and error," the Truth of the Quranic objectives will be ultimately vindicated. We see today the Communist Structure collapsing not under foreign